Scanned by Mard e Momin
For Urdufanz.com

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۹۰

رے راٹا

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

اس مرتبہ آپ ایک بالکل نئے انداز کا ناول پڑھیں گے اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ بہت ہی مزے کا ناول پڑھیں گے۔ چلیے اور اضافہ کیے دیتا ہوں، اگر مزا نہ آئے تو پیسے واپس ۔۔۔ ارے کہیں سچ مچ پیسے واپس نہ مانگ بیٹھیے گا۔ یہ تو میں بس یونہی دو باتیں کو پرلطف بنانے کے لیے لکھ گیا ہوں۔ امید ہے کہ یہ پرلطف بن گئی ہوں گی۔ ویسے یہ ناول گرگٹ کی طرح رنگ بھی بدلے گا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بھی اسے دیکھ کر گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے لگیں، جیسے خربوزے کو خربوزہ دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اگرچہ میں نے ایسا ہوتے آج تک نہیں دیکھا؛ تاہم خواہش بہت ہے کہ کبھی خربوزے کے ذریعے خربوزے کو رنگ پکڑتے دیکھوں۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ انسان کی ہر خواہش پوری ہو جائے ۔۔۔ اب میں بہت بے تکی ہانک چکا۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ یکسانیت کا نعرہ لگاتے ہیں، یہ ناول پڑھتے وقت وہ نعرہ ان کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ جائے گا۔ شکریہ!

حدیثِ شریف

شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عقل مند وہ ہے، جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کیئے اور عاجز (بے ہمت) وہ ہے، جس نے اپنے نفس کو خواہشات کا تابع کر دیا اور اللہ سے (فضل و کرم کی) امیدیں باندھیں

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ)

مصنوعی لاش

فون کی گھنٹی نے انہیں گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ ریسیور اٹھانے سے پہلے انہوں نے گھڑی دیکھی، چار بج رہے تھے: گویا دن نکلنے میں ایک گھنٹا باقی تھا —

"اس وقت کسے فون کرنے کی ضرورت آپڑی" وہ بڑبڑائے اور پھر ریسیور اٹھا کر بولے:

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں"

"جمشید صاحب، خدا کا شکر ہے، آپ نے فون تو اٹھایا، ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا، آپ قیامت تک بیدار نہیں ہوں گے اور مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑے گی"

"آپ راشدی صاحب تو نہیں ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے آواز پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک پہچانا — اب یہ ہولناک خبر سنئے کہ سے ڈاٹا جیل سے بھاگ نکلا ہے۔ ابھی ابھی سپرنٹنڈنٹ جیل نے فون پر مجھے یہ اطلاع

دی ہے، لہٰذا میں فوری طور پر آپ کو فون کر رہا ہوں۔ اب میری زندگی
بچانا آپ کا کام ہے۔"

"زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ ہے: بہر حال میں آ رہا
ہوں، آپ فکر نہ کریں اور کوٹھی کے تمام کھڑکیاں اور دروازے بند
کرلیں۔ جب تک میں نہ آجاؤں، صدر دروازہ ہرگز نہ کھولیں۔ میری
بھی آواز پہچاننے کے بعد کھولیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں، م، میں..... راشدی صاحب کی آواز
حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

"ہیلو راشدی صاحب، خیر تو ہے، کیا بات ہے؟"

لیکن اس کے بعد ریسیور میز پر گرنے کی آواز سنائی دے
سکی اور پھر مکمل طور پر خاموشی چھا گئی۔ انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔ بیگم
جمشید گہری نیند سو رہی تھیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اپنے کمروں میں محو
خواب تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور گھر سے نکل کھڑے
ہوئے۔ اب ان کی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح اڑی جا رہی تھی۔
آخر وہ راشدی صاحب کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر نیچے اترے، دوسرا
لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ راشدی صاحب کے گھر کے سبھی افراد دروازے
پر موجود تھے اور ان سب کی نظریں ایک سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔
انسپکٹر جمشید پریشان ہو گئے۔ جیب سے اتر کر جلدی سے ان کے
قریب پہنچے۔

"خیر تو ہے، آپ سب لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ ابھی ابھی
راشدی صاحب نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں، کیوں کہ
رے راٹما جیل سے فرار ہو گیا ہے، پھر فون پر بات مکمل نہ ہو سکی۔
شاید یہاں اسی وقت کوئی واقعہ پیش آ گیا تھا۔" وہ جلدی جلدی
کہتے چلے گئے۔

"جی ہاں، وہ آپ کو فون کر رہے تھے، ہم سب لوگ بھی
ان کے آس پاس جمع تھے۔ سڑک کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں سے
ہم نے ایک شخص کو اندھا دھند اندر آتے دیکھا۔ راشدی صاحب کی
توجہ اس طرف دلائی تو وہ فون کرنا بھول گئے۔ ریسیور ان کے
ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ کوٹھی کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگے۔
عین اسی وقت وہ شخص کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ ہم نے دیکھا وہ
لمبے قد کا مالک تھا۔ آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس نے
آتے ہی دھاڑتی آواز میں پوچھا:

"راشدی کہاں ہے؟"

ہم اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس نے پھر
دھاڑتی آواز میں ان کے بارے میں پوچھا۔ عین اس وقت راشدی
صاحب پچھلے دروازے سے اگلے دروازے کے ساتھ بنے گیراج تک
پہنچ گئے۔ وہ صرف کار میں بیٹھ کر ہی خود کو بچا سکتے تھے۔ انہوں نے
پوری احتیاط سے گیراج کھولا، کار میں بیٹھے، گیراج سے نکلتے ہی رفتار

بڑھا دی — رے ڈاٹا نے کار کی آواز سن لی۔ وہ بھڑک کر باہر کی
طرف بھاگا اور پھر ہم نے اسے کار کے پیچھے بھاگتے دیکھا — ہم نے
اتنا تیز رفتار آدمی آج تک نہیں دیکھا — اف خدا، وہ آن کی آن
میں کار کے نزدیک پہنچ گیا تھا — راشدی صاحب اگر رفتار پوری
نہ چھوڑ دیتے تو شاید وہ ان تک پہنچ ہی گیا تھا اور اس کے
ساتھ ہی وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے" راشدی صاحب
کے اسسٹنٹ نے جلدی جلدی تفصیل سنا دی — بیگم راشدی اور گھر
کے دوسرے افراد تو سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ وہ تو کچھ بھی
بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھے —

"ہاں، میں جانتا ہوں، تیز دوڑنے میں اس کا ثانی نہیں، وہ
پوری دنیا میں تیز دوڑنے والا آدمی ہے — تو وہ اس ٹرک پر گئے
ہیں؟" انہوں نے جلدی جلدی کہا اور ان سب نے سر ہلا دیے —
انسپکٹر جمشید نے جیپ کا رخ موڑا اور اسے پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔
ان کی پیشانی پر بل پڑتے جا رہے تھے —

رے ڈاٹا ایک غیر ملکی تھا — ایک سال پہلے ان کے ملک میں
آیا تھا۔ اس کے ملک نے اسے خاص طور پر یہ حکم دے کر بھیجا
تھا کہ راشدی صاحب کو ختم کر آئے — راشدی صاحب ایک ادھیڑ عمر
کے آدمی تھے۔ کسی زمانے میں خفیہ جاسوس تھے اور ایک بار انہیں
جاسوسی کی غرض سے رے ڈاٹا کے ملک بھیجا گیا تھا۔ وہ کچھ بہت ہی

قیمتی راز چرا لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کے اس کارنامے کے بعد
انہیں ریٹائر کر دیا گیا، تاکہ وہ باقی ماندہ زندگی آرام اور سکون سے
بسر کریں۔ ان کی زندگی واقعی آرام سے گزر رہی تھی کہ ایک
دن اچانک انہیں دشمن ملک سے ایک فون ملا — فون پر انہیں
بتایا گیا کہ ان کی زندگی کا چراغ بجھانے کے لیے ایک تیز طرار
جاسوس کو بھیجا جا رہا ہے۔ وہ ایسا تیز طرار ہے کہ اسے کوئی پکڑ
نہیں سکتا، گولی نہیں مار سکتا، جب وہ دوڑتا ہے تو گویا اس کے
پر نکل آتے ہیں — اور یہ کہ ہمارے ملک میں اس سے زیادہ
لائق فائق اور تیز جاسوس نہیں ہے — یہ فون سن کر راشدی صاحب
فکر مند ہو گئے۔ انہوں نے افسران کو اطلاع دی۔ آفیسرز فوراً ان تک
پہنچ گئے۔ ان کی حفاظت کے انتظامات کیے گئے۔ اس سلسلے میں
انسپکٹر جمشید پیش پیش تھے — وہ اکثر راتیں راشدی صاحب کے گھر
گزارنے لگے۔ آخر ایک دن رے ڈاٹا وہاں پہنچ ہی گیا، لیکن اس
کا سامنا راشدی صاحب کی بجائے انسپکٹر جمشید سے ہوا — وہ ایک
خونی مقابلہ تھا — دونوں لڑتے کوٹھی سے نکل کر کھلے میدان میں
آ گئے۔ رات کا وقت تھا، ان کا یہ مقابلہ دیکھنے والے راشدی صاحب
کے گھر کے لوگ تھے یا وہ نگران جو کوٹھی پر مقرر تھے۔ ان سب
نے اس مقابلے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا — اس دن انسپکٹر جمشید
کی بے بسی ان سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ رے ڈاٹا گویا ہوا میں اڑ

رہا تھا۔ ہوا میں اڑتے ہوئے وہ ان پر حملے پر حملہ کرتا رہا اور انسپکٹر جمشید بڑی مشکل سے خود کو بچا رہے تھے۔ وہ یہاں تک تنگ آئے کہ غصہ اور جھنجلاہٹ ان پر سوار ہوگئی، لیکن غصہ بھی ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ ریے راٹا انہیں چوٹ پر چوٹ دیتا رہا۔ اس نے کوئی ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ انسپکٹر جمشید بھی اسے زندہ گرفتار کرنے کی فکر میں تھے اور پھر انسپکٹر جمشید کی عقل نے کام دکھایا۔ ایک بار جو بلا کی رفتار سے دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا اور چاہتا تھا، انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے تو اچانک انہوں نے اپنا رخ تبدیل کر دیا۔ ریے راٹا نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، اسی طرف مڑ گیا۔ انسپکٹر جمشید رخ تبدیل کرتے ہی زمین پر گر گئے اور وہ ان کے اوپر سے ہوتا ہوا بلا کی رفتار سے ایک درخت سے ٹکرا گیا۔ اس درخت کو دیکھ کر ہی انہوں نے اپنا رخ تبدیل کیا تھا اور اس طرح ریے راٹا کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسے جیل بھیج دیا گیا۔ جیل کے حکام کو اس کے بارے میں خاص ہدایات دی گئیں، لیکن ان خاص ہدایات کے باوجود ریے راٹا جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور فرار ہوتے ہی اس نے راشدی صاحب کی کوٹھی کا رخ کیا، اور اب انسپکٹر جمشید بھی اسی سمت میں جا رہے تھے۔ انہیں خوف تھا تو یہ کہ کہیں ریے راٹا راشدی صاحب تک نہ پہنچ جائے۔ اس کے دوڑنے کی رفتار کو ساری

دنیا میں تسلیم کیا گیا تھا اور آج تک کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکا تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ بعض اوقات تو وہ کاروں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اچانک انہیں سڑک پر کوئی چیز پڑی نظر آئی۔ انہیں بریک لگانا پڑے۔ نزدیک پہنچنے پر انہوں نے دیکھا، وہ ایک انسانی لاش تھی۔ وہ اس لاش کے پاس رکے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے سوچا، یہ لاش راشدی صاحب کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان کی کار آس پاس کہیں بھی نہیں ہے۔ تقریباً پانچ منٹ تک اور چلنے کے بعد انہیں رک جانا پڑا۔ سڑک کے آر پار ایک بانس لگا کر رکاوٹ پیدا کی گئی تھی۔ بانس کے دونوں طرف دو فوجی کھڑے تھے۔

"آپ اس سے آگے نہیں جا سکتے، یہاں سے ملٹری حدود شروع ہو جاتی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیا مجھ سے پہلے ایک کار اور بھی ادھر آ چکی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں، ادھر کوئی نہیں آیا۔" اس نے کہا۔

"اور کوئی پیدل شخص بھی دوڑتا ہوا ادھر نہیں آیا؟"

"جی نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اب انسپکٹر جمشید نے اپنا کارڈ دکھایا۔ کارڈ دیکھ کر دونوں فوجیوں کی سختی نرمی میں

بدل گئی — ایک نے کہا :

"ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"اگر کوئی پیدل شخص دوڑتا ہوا یا کار میں سوار ادھر آئے تو اسے بندوقوں کی زد میں رکھ کر مجھے فون کر دیں، وہ قوم اور ملک کا دشمن ہے"

"بہت بہتر، ہم یہی کریں گے"

اور وہ واپس پلٹے — اب وہ لاش رہ رہ کر انہیں کھٹک رہی تھی — رے راٹا کی وجہ سے وہ اس لاش کے پاس رکے نہیں تھے۔ اسی رفتار سے واپس جاتے ہوئے وہ اندازے کے مطابق اسی جگہ پہنچ گئے، جہاں لاش پڑی پائی گئی تھی — اندازہ انہوں نے اس طرح لگایا کہ جس وقت وہ لاش کے پاس سے گزر رہے تھے تو کلائی کی گھڑی پر نظر ڈال لی تھی اور اب اسی رفتار سے چلتے ہوئے اتنے ہی وقت میں وہ جس جگہ پہنچے، لاش اسی جگہ پڑی ہوئی ہونی چاہیے تھی، لیکن اب سڑک پر دُور دُور تک لاش نہیں تھی۔ انہوں نے اندازے سے آگے اور پیچھے دُور دُور تک سڑک چھان ماری، لیکن کہیں کوئی لاش نظر نہ آئی۔

تھک ہار کر وہ شہر کی طرف روانہ ہوئے — اب انہوں نے جیپ میں لگے فون کے ذریعے اکرام اور دوسرے لوگوں سے رابطہ قائم کیا — پندرہ منٹ بعد شہر کی تمام سڑکوں پر رے راٹا اور راشدی صاحب

کی تلاش شروع ہو گئی اور یہ تلاش صبح تک جاری رہی، لیکن صبح کا سورج بھی ان کے لیے کامیابی کی کوئی خبر لے کر نہ آیا۔ اب وہ اس کے سوا کیا کر سکتے تھے کہ گھر واپس چلیں اور ناشتا کریں۔ اگرچہ گھر جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اب انہیں اس بات پر بھی افسوس ہو رہا تھا کہ رک کر اس لاش کو نہیں دیکھا — کیا خبر وہ راشدی صاحب کی ہی لاش تھی یا کسی اور کی — ان حالات میں انہیں محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال آیا۔ اگر وہ انہیں بھی ساتھ لائے ہوتے تو شاید صورت حال یہ نہ ہوتی — وہ اس لاش کے قریب ان میں سے ایک یا دو کو اتار کر آگے چلے جاتے اور اس طرح وہ لاش ان کی الجھن کا سبب نہ بنتی — اب یہ سوال رہ رہ کر ان کے ذہن میں کھلبلی مچا رہے تھے، راشدی صاحب کہاں ہیں؟ رے راٹا کہاں ہے؟ کہیں راشدی صاحب ان کے ہاتھ تو نہیں لگ گئے؟ اگر لگ گئے تو اس نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آخری سوال یہ تھا کہ وہ لاش کس کی تھی؟

گھر کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبانے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ چونک اٹھے۔ دروازہ بند نہیں تھا اور اندر سے محمود، فاروق اور فرزانہ کے زور شور سے بحث کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں — چند سیکنڈ کے اندر اندر انہوں نے کئی بار میز پر مکے بھی دے مارے۔ وہ بوکھلا کر اندر داخل ہو گئے اور بولے :

"بھئی، یہ میز کی شامت کیوں لائی جارہی ہے؟"

محمود، فاروق اور فرزانہ چونک کر ان کی طرف مڑے اور اچھل پڑے۔ بیگم جمشید شاید باورچی خانے میں تھیں۔

"ابا جان، ہم ریڈیو پر خبریں سن چکے ہیں۔ بہت گرم خبریں ہیں۔ مجھے تو گرمی محسوس ہونے لگی ہے، حالاں کہ ابھی موسم بہار ہے اور گرمی شروع ہونے والی ہے" فاروق نے رکے بغیر کہا۔

"کچھ تمہیں گرمی اپنی زبان کی تیزی کی وجہ سے بھی لگتی ہے" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

"ہاں تو ابا جان، کیا رہا؟" محمود بے تابانہ لہجے میں بولا۔

"راشدی صاحب اور رے راٹا دونوں کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔"

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ دونوں کا پتا نہ چلنے کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ راشدی صاحب رے راٹا کے ہتھے چڑھ گئے ہیں" محمود نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، بالکل یہی بات ہے"

"تو کیا رے راٹا انہیں لے کر سرحد عبور کر گیا ہے؟" فرزانہ بے چین ہوگئی۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اگر بات یہی ہے، تب ہمیں دشمن ملک جانا ہوگا" انسپکٹر جمشید کا لہجہ فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اوہ، رے راٹا سے مقابلہ اور اس کے ملک میں" محمود نے چونک کر کہا۔

"مجبوری ہے، یہی کرنا ہوگا" انہوں نے کندھے اچکائے، پھر بولے:

"لیکن ایک اور الجھن بھی ہے"

"یہ کون سی نئی بات ہے ابا جان، ہمارے ساتھ تو ہر معاملے میں ایک کیا، بلکہ کئی اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں" فاروق نے منہ بنایا۔

اور وہ الجھن یہ ہے کہ جب میں رے راٹا کے تعاقب میں جا رہا تھا تو راستے میں میں نے سڑک پر ایک لاش دیکھی تھی۔ واپسی پر وہ لاش سڑک پر نہیں ملی۔ اس وقت سے اب تک راشدی صاحب اور رے راٹا کے ساتھ اس لاش کو بھی تلاش کیا جا چکا ہے، لیکن اس کا بھی کوئی پتا نہیں چل سکا" انہوں نے جیسے فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں۔

"اوہ، حیرت ہے۔ آخر وہ لاش کس کی تھی؟"

"پتا نہیں، ذرا تم لوگ ہی ذہن دوڑاؤ۔ میں تو صبح سے دوڑا دوڑا کر تھک چکا ہوں"

"آپ فکر نہ کریں ابا جان اور ذہن کو اور نہ تھکائیں — اب ہم اپنے ذہنوں کو میدان میں لاتے ہیں۔" فاروق نے پیش کش کی۔

"لیکن یہاں میدان کہاں ہے۔ ہم تو گھر میں بیٹھے ہیں۔" فرزانہ نے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی —

"ذہنی میدان کی کیا کمی ہے۔ ذہن پاس ہونا چاہیے، لیکن افسوس، وہ تمہارے پاس نہیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"شکریہ، آج ہم تمہارے ذہن سے کام لے لیتے ہیں۔ ذرا بتاؤ تو وہ لاش کس کی تھی؟" فرزانہ نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

"رے راٹا کی مصنوعی لاش۔" فاروق نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"رے راٹا کی مصنوعی لاش، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے کاٹ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"بھئی، اسے وضاحت تو کر لینے دو۔" انسپکٹر جمشید پیار بھرے لہجے میں بولے۔ فاروق ان کے لہجے پر چونک اٹھا اور بوکھلا کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"وضاحت کرو بھئی، میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟"

"جی، وضاحت کس بات کی کروں۔ میں نے تو یونہی سوچے سمجھے بغیر ایک بات کہہ دی تھی۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"لیکن میرا خیال ہے، تم بڑے پتے کی بات کہہ گئے ہو۔" وہ مسکرائے —

"آج تو یہاں صبح سے صرف پتے کی ہی باتیں ہو رہی ہیں۔" بیگم جمشید باورچی خانے سے نکلتے ہوئے بولیں —

"اچھا، کیا واقعی؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، یہ تینوں صبح سے بس رٹا رٹا کر رہے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں یہ بڑے پتے کی باتیں ہیں۔" انھوں نے جل کر کہا اور وہ بے ساختہ مسکرا دیے — اسی وقت محمود نے چونک کر کہا:

"ابا جان، آپ کیا کہہ رہے تھے — فاروق نے کس طرح پتے کی بات کہہ دی؟"

"اب میں بھی یہی سوچنے پر مجبور ہوں کہ سڑک پر اس جگہ رے راٹا لیٹ گیا تھا، تاکہ میں رک کر جیپ سے اتروں اور اس پر جھک جاؤں اور وہ مجھ پر حملہ کر دے — صاف ظاہر ہے، اس صورت میں میں اس کے حملے سے بچ نہیں سکتا تھا اور اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راشدی صاحب پر اس نے قابو پایا ہو اور انہیں بے ہوش کرکے کار میں ڈال کر، کار کو سڑک سے نیچے اتار کر درختوں کے درمیان چھپا دیا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا میں اس کے پیچھے ضرور آؤں گا، لیکن جب میں اس کے قریب نہ رکا تو اس کا وار خالی گیا اور اس نے یہی مناسب

سمجھ کہ اس وقت تو راشدی صاحب کو ہی لے کر غائب ہو جائے مجھ سے دو دو ہاتھ تو پھر کسی موقعے پر کرے گا۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"اوہ، تو راشدی صاحب اب اس کے قبضے میں ہیں۔" فرزانہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"فی الحال ہم اس کے سوا اور سوچ بھی کیا سکتے ہیں۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اور کیا رے راٹما ملک کی سرحد عبور کر چکا ہے؟"

"اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی۔ انہوں نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

پھر دوسری طرف کی بات سن کر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ بے چینی کے عالم میں وہ بات سنتے رہے، پھر انہوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا:

"اوکے۔"

"کون تھا ابا جان؟" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"رے راٹما۔" وہ بولے۔

"اوہ، رے راٹما۔" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں، اس نے ایک عجیب و غریب تجویز پیش کی ہے۔" ان کی آواز سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

اچھالو سکّہ

"ایسی بھی کیا عجیب و غریب کہ آپ پریشان ہو گئے" فاروق نے بھی پریشان ہو کر کہا۔

"ٹھہرو، میں ابھی وہ تجویز تم لوگوں کو نہیں بتا سکتا۔ پہلے میں آئی جی صاحب سے بات کروں گا" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گویا ہم آپ کے ساتھ نہیں چل رہے ہیں" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، تم تینوں یہیں ٹھہرو، دروازہ بند رکھو۔ جب تک میں نہ آؤں کسی کے لیے بھی دروازہ نہ کھولنا۔"

"جی بہت بہتر، لیکن سوچ لیں۔ ہمارے ہاں پروفیسر انکل، انکل خان رحمان یا آئی جی صاحبان میں سے کوئی بھی آ سکتے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے۔ خیر تم پہلے اپنا اطمینان کر لینا، اس کے بعد دروازہ کھولنا۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی اور انسپکٹر جمشید باہر نکل گئے۔

ابھی دفتر کا وقت نہیں ہوا تھا، اس لیے انہیں شیخ نثار احمد کے گھر کا رخ کرنا پڑا۔ شیخ صاحب نے ان کا استقبال ناشتے کی میز پر کیا۔ ملازم نے ان کے سامنے بھی چائے کا کپ رکھ دیا۔

"میں جانتا ہوں، تم راشدی صاحب کے لیے پریشان ہو، لیکن اس میں تمہارا کیا قصور۔ یہ سارا کیا دھرا تو جیل حکام کا ہے اور میں وزیرِ داخلہ سے بات کروں گا۔ اس معاملے میں ان سے جواب طلب کیا جائے۔"

"جی ہاں، یہ تو خیر کیا ہی جائے گا۔ آپ کا اندازہ بھی بالکل درست ہے۔ میں راشدی صاحب کے لیے بہت پریشان ہوں، لیکن رے ڈاٹا کے فون نے میری پریشانی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا رے ڈاٹا نے تمہیں فون کیا تھا؟"

"جی ہاں، اور یہ ابھی بیس منٹ پہلے کی بات ہے۔"

"اوہ۔ جلدی بتاؤ، اس نے کیا کہا ہے؟" شیخ صاحب بے تاب ہو کر بولے۔

"رے ڈاٹا نے فون پر ان سے جو کچھ کہا تھا، وہ انہوں نے انہیں بھی سنا دیا۔ آئی جی صاحب سکتے میں آ گئے۔ کتنے ہی لمحے

خاموش رہنے کے بعد کہا:

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں آپ کی اجازت لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے، ہمیں مجرم کی خواہش کو پورا کرنا ہی ہوگا۔" وہ بولے۔

"بات دراصل یہ ہے جمشید، میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا — اس معاملے میں تم جو چاہو، کر سکتے ہو، کیونکہ ہمارے ملک کا قانون کسی شخص کو ایسے کسی کام کے لیے مجبور نہیں کرتا۔"

"یہ میں جانتا ہوں — میں تو آپ کی ذاتی اجازت چاہتا تھا۔"

"خیر، جیسے تمہاری مرضی — مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"شکریہ جناب — اب میں گھر جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے اور کیا نہیں — پھر میں آپ کو فون پر اطلاع دوں گا۔"

"ٹھیک ہے، میں ہر طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔" انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

وہ گھر پہنچے — چاروں بہت بے چینی کے عالم میں ان کا انتظار کر رہے تھے —

"ابا جان، مہربانی فرما کر سب سے پہلے وہ تجویز بتا دیں، جو رے ڈاٹا نے پیش کی ہے۔" محمود بولا۔

"اس نے ایک شرط پیش کی ہے۔ راشدی صاحب اس کے قبضے میں ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ زندہ سلامت ہیں اور وہ انہیں رہا

کر سکتا ہے۔" انہوں نے پرسکون انداز میں کہا۔

"پھر اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے — اس کی شرط کیا ہے؟" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ راشدی صاحب کے بجائے تم میں سے کسی ایک کو مانگتا ہے۔" انسپکٹر جمشید دھک کرتے دل کے ساتھ بولے۔

"کیا مطلب؟" تینوں چیخ اٹھے — بیگم جمشید کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"اس کا کہنا ہے، وہ راشدی صاحب کو اپنے ملک لے جائے گا، لیکن اگر ہم لوگ چاہیں تو وہ تم میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ اپنے ملک لے جانے کے لیے تیار ہے — اس صورت میں وہ راشدی صاحب کو رہا کر دے گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا — ساتھ لے جانے کے لیے اس نے یہ شرط رکھی ہے کہ اسے ایک عدد ہیلی کاپٹر مہیا کیا جائے — وہ ہیلی کاپٹر اڑانا جانتا ہے۔ ہیلی کاپٹر کے کوئی شخص نزدیک بھی جانے کی کوشش کرے گا تو وہ راشدی صاحب کو گولی مار دے گا۔"

"لیکن اس کے پاس پستول کہاں سے آیا۔" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"ابھی ہم نے اس کے فرار کی تحقیقات نہیں کی — یہ بات بعد میں معلوم ہوگی، فی الحال تو مسئلہ یہ ہے کہ راشدی صاحب کا کیا جائے — اگر ہم اس کی شرط نہیں مانتے تو وہ انہیں ہلاک کر

دے گا اور اگر شرط مانتے ہیں تو ہمیں تم میں سے ایک کو قربان
کرنا ہوگا — وہ ہمیں اپنے ملک لے جا کر کچھ بھی سلوک کر سکتا ہے۔"

وہ تھرا اٹھے — اتنی عجیب و غریب صورتِ حال سے ان کا
پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی —
آخر پھر انسپکٹر جمشید ہی بولے :

"مجرم کی شرط میں نے شیخ صاحب کے سامنے رکھی تھی۔ انہوں
نے مجھے ہر قسم کا اختیار دے دیا ہے — یعنی میں چاہوں تو اس
کی شرط مان لوں، نہ چاہوں تو نہ مانوں — راشدی صاحب تو بے بس
ہو چکے ہیں۔ ان کے بدلے میں کسی شخص کو بھی اپنا بیٹا قربان
کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں، کوئی خود اس قسم کی قربانی
پیش کرنا چاہے تو اسے روکا بھی نہیں جا سکتا۔"

"ہم آپ کی بات سمجھ گئے ابا جان، آپ پریشان نہ ہوں۔
میں رے راٹا کے ساتھ اس کے ملک جانے کے لیے تیار ہوں۔"
محمود نے فوراً کہا۔

"تم نہیں جاؤ گے محمود، تمہاری یہاں ضرورت زیادہ ہے۔ میں
جاؤں گا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"نہیں بھئی، تم دونوں ہی نہیں جاؤ گے۔ اس کے ساتھ میں
جاؤں گی۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"مجھے پہلے ہی یہ خطرہ تھا کہ اس مسئلے پر تم آپس میں جھگڑ پڑو

گے۔" انسپکٹر جمشید غمگین انداز میں مسکرائے، پھر بولے :

"خیر میں ایک وضاحت کیے دیتا ہوں — کم از کم رے راٹا
کے ساتھ فرزانہ نہیں جائے گی۔"

"کیوں ابا جان، کیا میں آپ کو محمود اور فاروق کی نسبت
زیادہ پیاری ہوں۔" فرزانہ نے برا مان کر کہا۔

"نہیں بیٹی، یہ بات نہیں — بات صرف یہ ہے کہ تم لڑکی
ہو — محمود اور فاروق کو آپس میں فیصلہ کرنا ہوگا — میں یہ بہتر
سمجھتا ہوں کہ محمود ساتھ جائے، کیونکہ محمود میں صورتِ حال سے نبٹنے
کی فاروق کی نسبت زیادہ صلاحیت ہے۔"

"ٹھیک ہے ابا جان، میں تیار ہوں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"آپ نے ٹھیک فرمایا ابا جان، محمود صورتِ حال سے نبٹنے
کی زیادہ صلاحیت ہے، اس لیے محمود یہاں رہے گا، رے راٹا کے
ساتھ میں جاؤں گا، کیونکہ محمود کو آپ کے ساتھ رہنا چاہیے — اس
کی یہاں زیادہ ضرورت ہے۔"

"نہیں فاروق، میں ابا جان سے اتفاق کرتا ہوں اور یہ
مسئلہ انہی الفاظ پر ختم ہو جانا چاہیے — ابا جان، ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"
محمود ان کی طرف مڑا۔

"لیکن میں یہ کس طرح برداشت کر سکتا ہوں کہ میرے ہوتے
ہوئے تم قربان گاہ کی طرف چلے جاؤ۔"

"دنیا میں تو نہ جانے کیا کیا برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کیا مائیں اپنے بیٹوں کو جہاد کے لیے روانہ نہیں کرتیں؟"

"تو پھر کیوں نہ ہم دونوں جائیں" فاروق نے کہا۔

"یہ بے وقوفی ہوگی"

"میں سمجھتی ہوں، یہ جھگڑا اس طرح ختم نہیں ہوگا۔ محمود، فاروق، تم دونوں ٹاس کرلو۔ میری بھی اس ٹاس میں شامل ہونے کی بہت خواہش تھی، لیکن اباجان پابندی عاید کرچکے ہیں"

"فرزانہ ٹھیک کہتی ہے" فاروق چہکا۔

"اچھا تو پھر یوں ہی سہی"

ایک سکہ نکالا گیا۔ ابھی اچھالنے نہیں پائے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ چونک اٹھے۔ انداز خان رحمان کا تھا۔ محمود نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ ساتھ ہی خان رحمان کی دھاڑتی آواز سنائی دی:

"میں سب سن چکا ہوں جمشید۔ شیخ صاحب نے فون پر مجھے تمہارے ارادے سے باخبر کیا ہے۔ میں یہ پاگل پن نہیں ہونے دوں گا"

"آؤ، خان رحمان آؤ، لیکن تم کچھ اچھے موقعے پر نہیں آئے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اچھے موقعے پر نہیں آیا، کیا مطلب؟"

"محمود اور فاروق سکہ اچھالنے ہی والے ہیں۔ جس کے حق میں فیصلہ ہوا، رے راٹا کے ساتھ وہ جائے گا"

"وہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ دیکھو جمشید، راشدی صاحب اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ آج نہیں تو چند سال بعد مر جائیں گے، پھر کیا ایک بوڑھے آدمی کو بچانے کے لیے ایک نوعمر بیٹے کو قربان کرنا عقل مندی ہے"

"راشدی صاحب تمہارے نزدیک بوڑھے ہیں" ان کے بیوی بچوں سے پوچھو، وہ ان کے لیے کیا ہیں"

"لیکن محمود اور فاروق بھی تو تم لوگوں کے لیے وہی کچھ ہیں"

"ہاں، لیکن میں نے ایک بات سوچی ہے، جو تم نے نہیں سوچی" انسپکٹر جمشید پھر مسکرائے۔

"اور وہ بات کیا ہے؟"

عین اسی وقت دروازے گھنٹی بجی۔ انداز پروفیسر داؤد کا تھا۔ محمود دروازے کی طرف چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے، شیخ صاحب کو بھی میرا ارادہ پسند نہیں آیا۔ اسی لیے وہ میرے دوستوں کو اس پروگرام کی مخالفت کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں"

"ہائیں، خان رحمان، تم بھی یہاں پہنچ گئے۔ چلو اچھا ہی ہوا،"

اور ہاں جمشید، کان کھول کر سن لو۔ ان تینوں میں سے رے راٹا کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا۔" انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"لیجیے، ایک نہ شد دو شد۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا، پھر بولے:

"اس معاملے میں آپ لوگ ضد نہ کریں۔ یہ معاملہ ملک اور قوم کا معاملہ ہے۔ ہمارے وقار کا معاملہ ہے۔ رے راٹا ہمارے ملک میں راشدی صاحب کو ہلاک کرنے آیا تھا، لیکن میں اس کے آڑے آگیا اور اسے جیل جانا پڑا۔ اب دراصل وہ اس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے، یعنی راشدی صاحب کی بجائے ان میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے بیٹے کے پیچھے اس کے ملک میں جاؤں اور وہ اپنی شکست کا انتقام مجھ سے لے۔"

"تو، تو کیا ان کے پیچھے تم بھی جاؤ گے؟" پروفیسر داؤد دھک سے رہ گئے۔

"یہ تو کرنا ہی ہوگا۔ محمود یا فاروق کو اس کے ساتھ بھیج کر ہم اطمینان سے کس طرح بیٹھ سکتے ہیں۔"

"ہوں، تب تو ٹھیک ہے۔" پروفیسر داؤد نے کندھے اچکائے۔

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ اس وقت ہے کہاں؟"

"معلوم نہیں، میرا جواب سننے پر بتائے گا۔"

"ہوں تو پھر ان میں سے کون جا رہا ہے؟"

"ان میں سے تو ہر ایک تیار ہے۔ میں فرزانہ کو بھیجنے کے حق میں تو ہوں ہی نہیں۔ محمود اور فاروق کے درمیان فیصلہ بذریعہ ٹاس ہوگا، لیکن ذاتی طور پر میں محمود کو بھیجنے کے حق میں ہوں۔ دونوں کی ضد کو دیکھتے ہوئے ٹاس کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ چلو بھئی اچھالو سکہ۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

محمود نے سکہ اچھالا اور پھر فاروق اچھل پڑا۔

"وہ مارا، فیصلہ میرے حق میں ہوا۔"

محمود کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"ابا جان، یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"ہاں، لیکن کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

فیصلہ یہ کیا گیا کہ گھر میں ہی رہ کر رے راٹا کے فون کا انتظار کیا جائے۔ دفتر اور سکول کی چھٹی کی جائے۔ پروفیسر داؤد اور خان رحمان نے بچوں سمیت وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ بیگم جمشید کا حال پتلا تھا۔ یہ بات محسوس کرتے ہوئے انسپکٹر جمشید بولے:

"بیگم، تمہیں کیا ہوگیا۔ کیا تمہیں وہ ماں یاد نہیں، جس نے ایک غزوہ میں اپنے چاروں جوان بیٹوں کو جہاد کے لیے بھیجا تھا اور اس کے چاروں بیٹے ہی شہید ہوگئے تھے، لیکن اس نے اپنے بیٹوں

کے بارے میں کسی سے پوچھا تک نہیں کہ ان کا کیا بنا۔ وہ تو بس
رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے بارے میں ہی لوگوں سے پوچھتی رہی
کہ ان کا کیا حال ہے۔"

"ہوں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔"
وہ بولیں۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی
سے ریسیور اٹھایا اور وہ سب بے تابانہ ان کی طرف دیکھنے لگے۔

○

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"اور میں رے راٹا۔ تم لوگ فوری طور پر یہ معلوم کرنے
کی کوشش کروگے کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں، لہذا میں اس
فون پر بات نہیں کر سکتا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ
دیا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا اور بولے:

"وہ بہت چالاک ہے۔ اب ہمیں پھر اس کے فون کا
انتظار کرنا ہوگا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اور اکرام کی آواز سنائی دی:

"وہ نیامی کے علاقے کے ایک پبلک فون بوتھ سے بولا

تھا۔ خفیہ پولیس فوراً ہی اس علاقے کو گھیرے میں لے چکی ہے۔
لیکن امید نہیں کہ وہ پکڑا جا سکے۔"

"خیر، اب وہ پھر فون کرے گا۔ جوں ہی اس کے منہ سے
رے راٹا کا لفظ نکلے، فون ٹیپ کرنے کی کوشش کی جائے اور
اس تک پہنچنے کی بھی۔ تیز رفتار کاروں کی مدد کے بغیر اسے پکڑا
ہی نہیں جا سکتا۔"

"اوکے سر۔" اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"یار جمشید، یہ سچ ہے، وہ کار کی رفتار سے دوڑ لیتا ہے؟"

"تقریباً۔ بعض اوقات ہوتا یہ ہے کہ وہ جس پر حملہ آور
ہوتا ہے، وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور بوکھلاہٹ کی وجہ
سے کار پوری مہارت سے نہیں چلا سکتا، لہذا وہ اپنی تیز رفتاری سے
کام لے کر اس تک پہنچ جاتا ہے: تاہم سننے میں یہی آیا ہے۔
کہ وہ کار کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔"

"کمال ہے۔ پھر تو اس بار تمہارا واسطہ تیز ترین آدمی
سے ہے۔"

"ہاں، خیر دیکھا جائے گا۔"

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد پھر رے راٹا کا فون موصول ہوا۔
اس نے صرف ایک جملہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"ایک گھنٹے بعد شمالی پہاڑیوں میں اپنے ایک بیٹے کو بھیج دو

اور اس کے ایک گھنٹے بعد ہیلی کاپٹر۔"

ایک منٹ بعد اکرام کا فون ملا:

"سر، اس مرتبہ اس نے راجہ روڈ سے فون کیا ہے۔"

"حیرت ہے، کہاں بیامی اور کہاں راجہ روڈ ۔۔۔ اور اب وہ کسی تیسری جگہ موجود ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے پاس ضرور راشدی صاحب کی کار ہے ۔۔۔ خیر، اب شمالی پہاڑیوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔"

"کچھ نہیں، اس طرف کسی کو نہ بھیجا جائے ۔ میں دیکھ لوں گا۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھتے ہوئے فاروق کی طرف مڑے:

"فاروق، تم تیاری کر لو۔"

"جی بہتر، کیا میں اپنے ساتھ کچھ سامان بھی لے جاؤں۔"

"ہاں، ضروریاتِ زندگی کی چیزیں، ایک دو جوڑے، ٹوتھ برش، کنگھا ۔۔۔ اور ہاں، اس مہم پر تم جوتے محمود کے پہن کر جاؤ گے ۔۔۔ کم از کم تمہارے پاس خفیہ طور پر ایک چاقو تو ہونا ہی چاہیے۔"

"جی بہتر:" فاروق نے کہا اور محمود نے اسے اپنے جوتے لا دیے ۔۔۔ دونوں کے پیر تقریباً ایک جیسے تھے ۔ اس لیے جوتے پورے ہی آ گئے۔

"بلا ضرورت کوئی خطرہ مول نہ لینا، جو وہ کہے کرتے جانا ۔ بے فکر رہنا، میں، محمود اور فرزانہ بہت جلد تم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے اور اب میں سپرنٹنڈنٹ جیل سے دو باتیں کر لوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیل کے نمبر ملائے ۔۔۔ دوسری طرف سے فوراً سپرنٹنڈنٹ جیل مخدوم شاہ کی آواز سنائی دی:

"مخدوم شاہ بول رہا ہوں، آپ کون ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید ۔ کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ رے واٹا کس طرح فرار ہوگیا؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں ۔ جیل سے فرار ہونے میں دو آدمیوں نے اس کی مدد کی ہے ۔ وہ دونوں جدید آلات لے کر آئے تھے ۔ انہوں نے ان آلات کی مدد سے کمند ڈالی اور اس کمند کے ذریعے جیل میں داخل ہوگئے، پھر رے واٹا کی کوٹھڑی تک پہنچ گئے ۔ انہوں نے جدید آلات کی مدد سے کوٹھڑی کا تالا کھولا اور رے واٹا کو نکال لیا ۔ اس کے بعد وہ اس کمند کے ذریعے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے ۔ نمبردار جو گشت پر تھا، اسے اس واقعے کا پندرہ منٹ بعد علم ہوا اور فوری طور پر راشدی صاحب کو فون کیا گیا۔" اس نے بتایا ۔۔۔

"اس طرح تو کوئی بھی جدید آلات کی مدد سے جیل میں داخل ہو جایا کرے گا اور اپنے ساتھیوں کو چھڑا لے جایا کرے گا۔"

آپ کے انتظامات پھر کیا ہوئے ؟"
"نئے حالات کے مطابق نئے انتظامات کا جائزہ لیا جائے گا۔"
اس نے جواب دیا —
"کیا آپ کو معلوم ہے کہ رے راٹما کے فرار کی وجہ سے
صورتِ حال کیا ہو گئی ہے۔"
"جی ہاں، مجھے معلوم ہے اور بہت افسوس ہے۔"
"لیکن آپ کے افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ آپ سے پہلے
سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ہدایات دی گئی تھیں کہ رے راٹما کی حفاظت
کا خاص انتظام کیا جائے۔ انہوں نے یہاں سے جاتے وقت آپ
کو بھی رے راٹما کے بارے میں کچھ بتایا ہو گا اور ان ہدایات کی
طرف بھی ضرور توجہ دلائی گئی ہو گی۔ ان حالات میں بھی وہ فرار
ہونے میں کامیاب ہو گیا، حیرت ہے۔ خیر، میں جیل کے معائنے
کے لیے آؤں گا اور دیکھوں گا کہ مجرموں نے کمند کہاں اور کیسے
ڈالی — تمام چیزیں جوں کی توں رہنے دی جائیں۔"
"بہت بہتر — آپ کی ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔" دوسری
طرف سے کہا گیا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔
ٹھیک آدھ گھنٹے بعد فاروق نے آ کر کہا:
"میں تیار ہوں ابا جان۔"
"اچھا تو پھر ہمیں چلنا چاہیے — محمود، فرزانہ تم بھی میرے ساتھ

چلو گے۔ فاروق کو شمالی پہاڑیوں تک چھوڑ کر ہم واپس لوٹ آئیں گے۔
ٹھہرو، ذرا میں بھی تیاری کر لوں — محمود، فرزانہ تم دونوں میرے ساتھ
آؤ اور ہاں، اکرام کو بھی کچھ کام کرنا ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے
اکرام کو بھی گھر ہی بلا لیا —
آخر وہ جانے کے لیے بالکل تیار ہو گئے — بیگم جمشید کی
آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے — ان کے دل بھی بھر بھر آ رہے
تھے —
"امی جان، آپ کو چاہیے کہ خدا پر بھروسا رکھیں اور میرے
لیے دعا کریں۔" فاروق نے گلوگیر آواز میں کہا۔
"میرا بچہ —" بیگم جمشید بے قرار ہو کر اس سے لپٹ گئیں اور
پھر انسپکٹر جمشید نے بازو سے پکڑ کر انہیں الگ ہٹایا:
"فکر نہ کرو بیگم، خدا فاروق کا محافظ ہے۔"
اور وہ فاروق کو لے کر باہر آ گئے — خان رحمان اور پروفیسر
داؤد کو بھی گھر میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ جیپ میں بیٹھ کر وہ روانہ ہوئے۔
باقی سب لوگ دروازے میں کھڑے فاروق کے لیے ہاتھ ہلانے لگے۔
ان لوگوں میں بیگم شیرازی بھی تھیں — انہیں ساری بات کا علم
اس وقت پتا چلا جب وہ گھر سے نکل رہے تھے اور پھر جیپ ان
کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ دروازے سے ہٹ کر اندر آ گئے۔
انسپکٹر جمشید نے جیپ برق رفتاری سے چلاتے ہوئے شمالی

پہاڑیوں تک کا راستہ پچیس منٹ میں طے کیا ؛ گویا وہ فاروق کو
لے کر پانچ منٹ پہلے ہی آ گئے تھے ۔

"تو فاروق، اب جاؤ ۔ میں جانتا ہوں، وہ ان پہاڑیوں کے
درمیان کہیں چھپا تمہیں دیکھ رہا ہوگا، لہذا ہمارے جانے کے بعد
خود ہی سامنے آ جائے گا ۔

"اچھا ابا جان، محمود، فرزانہ خدا حافظ" فاروق نے جیپ
سے اترتے ہوئے ہاتھ ملایا ۔

"خدا حافظ" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور جیپ واپس موڑ
دی ۔ ایک منٹ بعد فاروق پہاڑیوں کے درمیان بالکل تنہا کھڑا تھا ۔
جب جیپ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو وہ آگے بڑھا اور اونچائی پر
جانے لگا، تاکہ رے داما نے اگر اب تک اسے نہیں دیکھا تو دیکھ
لے ۔ وہ اونچا ہی اونچا چڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ ایک آواز نے
اس کے قدم روک لیے ۔

"رک جاؤ اور بائیں طرف آؤ"

"رکنے کے بعد میں کس طرح آ سکتا ہوں" فاروق نے منہ
بنایا ۔

"اچھا، رکو مت، بائیں طرف مڑ جاؤ" جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی
دی ۔

فاروق بائیں ہاتھ مڑا ۔ ایک منٹ تک چلتے رہنے کے بعد

اسے ایک کھوہ دکھائی دی ۔ کھوہ میں چار آدمی موجود تھے اور ان میں
سے ایک راشدی صاحب تھے ۔ اس نے اگرچہ راشدی صاحب کو
کبھی دیکھا نہیں تھا، پھر بھی ان کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر یہ سمجھنے
میں دیر نہ لگی کہ ان میں وہ کون سے ہیں ۔

"آپ ہی انکل راشدی ہیں" فاروق بولا ۔

"ہاں، اور تم نے جو میرے لیے قربانی دی ہے، میں اسے زندگی
بھر یاد رکھوں گا ۔ کاش تم لوگوں نے مجھے مر جانے دیا ہوتا" وہ
بولے ۔

"جب تک اوپر والا کسی کو نہ بلائے، کوئی کسی کو کس طرح
مرنے دے سکتا ہے" فاروق نے آسمان کی طرف دیکھا ۔

"بہت خوب، تو تم فاروق ہو" باقی تین میں سے لمبے اور
پتلے دبلے آدمی نے کہا ۔ اس کے دونوں ساتھی غیر ملکی نہیں تھے، یہ
دیکھ کر فاروق کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا ۔

"اور تم رے داما ہو" فاروق نے نفرت زدہ انداز میں کہا ۔

"ہاں، میں ہی رے داما ہوں ۔ یہ دونوں میرے ساتھی ہیں
اور انہوں نے ہی مجھے جیل سے رہا کرایا ہے" اس نے کہا ۔

"اور میں دیکھ رہا ہوں، یہ ہمارے ہی ملک کے ہیں"
فاروق بولا ۔

"ہاں، تمہارے ملک میں میرے اور بھی ساتھی ہوں گے ۔ یعنی

جو میرے ملک کے لیے یہاں کام کر رہے ہیں۔ میرے ایک اشارے
پر ان پہاڑیوں سے اٹھ کھڑے ہوں گے جیسے بانس کے پودے
رات بھر میں اُگ آتے ہیں۔ وہ تو رات بھر میں اگتے ہیں، یہ آن
کی آن میں سر ابھار دیں گے ___ کہنے کا مطلب یہ کہ تم یہ سمجھنے
کی غلطی نہ کرنا کہ یہاں ہم صرف تین آدمی ہیں ___"

"ہوں، میں سمجھ گیا ___ اب کیا پروگرام ہے"

"چند منٹ تک پروگرام تمہارے والد کو بتا دیا جائے گا۔
اب ہم یہاں ہیلی کاپٹر منگوائیں گے اور پھر یہاں سے چلیں گے"

"اور راشدی صاحب"

"ہاں، معاہدے کے مطابق راشدی کو یہیں چھوڑ جائیں گے"
اس نے ہنس کر کہا ___

فاروق کو اس کی ہنسی عجیب سی لگی ___ نہ جانے کیوں وہ بے
چین ہو گیا ___ اس نے چاروں طرف دیکھا، لیکن کوئی نظر نہ آیا ___
رے راٹا کے دونوں ساتھیوں کے ہاتھوں میں بڑے سائز کے ریوالور
تھے ___ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پکڑے پستول کی نالی راشدی
صاحب کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور دوسرے کا رخ اب اس کے
سینے کی طرف تھا۔ پھر رے راٹا وہاں سے ٹہلنے کے انداز میں
نکل گیا ___

"تو مختلف پبلک فون بوتھوں سے خود رے راٹا نہیں، اس کے

ساتھی فون پر بات کر رہے ہیں"

"ہاں، پروگرام پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا۔ اب تو اس پر
صرف عمل ہو رہا ہے" راشدی صاحب بولے۔

"کیا آپ نے ان پہاڑیوں میں کچھ اور لوگوں کی موجودگی کو
محسوس کیا ہے؟"

"نہیں، لیکن رے راٹا کا کہنا یہی ہے" وہ بولے۔

"ہوں، خیر دیکھا جائے گا" وہ بے فکری کے انداز میں
پتھریلی زمین پر بیٹھ گیا ___ راشدی صاحب نے بھی اس کا ساتھ دیا۔
رے راٹا کے دونوں ساتھی چوکس کھڑے رہے ___

"تم نے میری خاطر خود کو مصیبت میں کیوں ڈالا" راشدی
صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"چھوڑیے انکل، ہم ایسے کام کرتے ہی رہتے ہیں۔ کوئی نئی
بات نہیں ہے" فاروق نے کندھے اچکائے ___

اسی وقت رے راٹا آتا نظر آیا ___

"مسٹر رے راٹا ___ تمہارا نام بہت عجیب سا ہے، رے راٹا ___
جیسے یہ نام نہ ہو، طمانچہ ہو جو منہ پر مار دیا گیا ہو"

"تو تمہیں میرا نام نام کی بجائے طمانچہ محسوس ہوتا ہے"
وہ بھنا کر بولا۔

"ہاں، لیکن اس میں غصہ کھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرے

محسوسات ہیں" فاروق مسکرایا۔

"میں نے سنا تھا، تم بہت باتونی اور خوش مزاج ہو، لیکن اس وقت تم نہ تو باتونی نظر آ رہے ہو اور نہ خوش مزاج" رے راٹا اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے رے راٹا۔ شاید مجھ پر اس سنگین ماحول کا اثر ہے یا پھر میں اس لیے سنجیدہ ہوں کہ اپنے گھر والوں کو الوداع کہہ کر آ رہا ہوں۔ معلوم نہیں، اب ان سے ملنا نصیب میں ہے یا نہیں۔ ایسے موقعوں پر آدمی قدرے غمگین ہو ہی جاتا ہے، لیکن تم فکر نہ کرو، بس راشدی صاحب کے صحیح سلامت یہاں سے لوٹ جانے کی دیر ہے۔ اس کے بعد تم دیکھنا، میری زبان تمہارے دوڑنے کی رفتار کا ساتھ دیتی ہے یا نہیں" فاروق شوخ لہجے میں بولا۔

"تمہارے والد کو ہیلی کاپٹر کے لیے ہدایات دے دی گئی ہیں۔ ان سے کہا گیا ہے کہ ہیلی کاپٹر صرف ایک آدمی اڑا کر لائے گا۔ یہاں اتارنے کے فوراً بعد وہ واپس چلا جائے گا۔ اس کے بعد ان کا بیٹا اور میں ہیلی کاپٹر میں سوار ہوں گے۔ دور دور تک اگر کوئی شخص نظر آیا تو تمہاری اور راشدی کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔ جب ہیلی کاپٹر پرواز کرنے لگے گا تو میرے آدمی راشدی کو چھوڑ دیں گے اور خود پہاڑیوں میں غائب

ہو جائیں گے۔ راشدی نیچے اتر جائے گا اور شہر کو جانے والی سڑک پر پہنچ جائے گا۔ وہاں سے وہ اسے لے جا سکیں گے۔ کیوں کیسا پروگرام ہے"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ پروگرام بہت شاندار ہے اور خوب سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہے۔ اس پروگرام کے لیے یہ پہاڑیاں بہت ہی مناسب ہیں۔ نہ صرف تم خود تیز دوڑتے ہو بلکہ تمہارا ذہن بھی تم سے پیچھے نہیں رہتا" فاروق نے دل سے اس کی تعریف کی۔

"تمہارا جملہ پسند آیا۔ شاید اب تمہاری طبیعت میں شوخی آتی جا رہی ہے"

"ہاں، تم فکر نہ کرو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں تمہیں پوری طرح شوخ نظر آؤں گا، لیکن یہ تو بتاؤ، تم مجھے اپنے ساتھ کیوں لے جانا چاہتے ہو"

"یہ میں تمہیں ہیلی کاپٹر میں بتاؤں گا" اس نے پراسرار انداز میں کہا۔

اور پھر ہیلی کاپٹر کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ فاروق نے اس لمحے اپنا دل دھک دھک کرتا محسوس کیا۔

"چیکی، پروگرام پر عمل شروع کر دو" رے راٹا کو جونہی ہیلی کاپٹر نظر آیا، بول اٹھا۔

"اوکے باس۔" ان دو میں سے ایک نے کہا، پھر راشدی صاحب سے بولا:

"آئیے راشدی صاحب، ہمیں اب یہاں سے دُور ہو جانا چاہیے، کیونکہ اس جگہ سے باس اور مسٹر فاروق ابھر کر ہیلی کاپٹر تک جائیں گے، لہذا ہو سکتا ہے کہ ان کے والد اور آپ کے ساتھی پہاڑیوں میں چھپے ہوئے ہوں اور اس جگہ پہنچ جائیں۔"

فاروق نے راشدی صاحب کو ان دونوں کے ساتھ دور جاتے دیکھا، اسے اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ راشدی صاحب کے بارے میں رے راٹا کے ارادے اسے نیک نظر نہیں آئے تھے، لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا سوائے کے اس کے پاس صرف ایک چاقو تھا، وہ بھی جوتے کی ایڑی میں، جب کہ وہ دنیا کے تیز رفتار —— آدمی کے ساتھ تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خداحافظ راشدی انکل کہا اور پھر شوخ آواز میں بولا:

"اچھا انکل خدا حافظ، امید ہے آپ خود کو گھر کے افراد کے درمیان دیکھ کر بہت خوشی محسوس کریں گے۔"

"لیکن میں تمہارے لیے غمگین رہوں گا۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔ ابا جان مجھے چھڑانے رے راٹا کے ملک ضرور پہنچیں گے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں، وہ ضرور پہنچیں گے۔ اسی لیے تو میں

نے یہ پلان بنایا تھا، ورنہ راشدی کو ہلاک کر کے کبھی کا یہاں سے چلا گیا ہوتا۔" رے راٹا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

اور پھر انہوں نے ہیلی کاپٹر کو زمین چھوتے دیکھا۔ پائیلٹ اس میں سے اتر کر واپس جاتا نظر آیا:

"آؤ بھئی فاروق، میرے اور تمہارے لیے اب میدان صاف ہے۔" رے راٹا مسکرا کر بولا۔

"کیا تم راشدی صاحب کے بارے میں مخلص ہو رے راٹا؟" فاروق نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" رے راٹا چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"یہ کہ تم راشدی صاحب کو ہلاک کرنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔"

"اوہ، تو تم سمجھ گئے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، اور ان پر فائرنگ اس وقت ہوگا، جب ہیلی کاپٹر بلند ہو چکا ہوگا۔"

"تم بہت عقل مند ہو۔" اس نے اس کی تعریف کی۔

"اور تم بہت عیار۔" فاروق نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو، میں دنیا کا عیار ترین آدمی ہوں۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

آخر وہ ہیلی کاپٹر تک پہنچ گئے۔ پہلے فاروق اس میں سوار ہوا اور اس کے بعد رے راٹا۔ اس وقت رے راٹا کے

ہاتھ میں پستول نظر آیا۔ اس نے پہلے ہیلی کاپٹر کے اندرونی حصے پر ایک نظر ڈالی اور پھر فاروق کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا — انجن پہلے ہی سٹارٹ تھا، لہذا ہیلی کاپٹر فوراً ہی اوپر اٹھنے لگا — فاروق کا دل بھر آیا، کسی بھی لمحے دھماکا ہونے والا تھا اور پھر آخر کار دھماکے کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرا ہی گئی۔ دو فائر ایک ساتھ ہوئے تھے۔ شاید رے راٹا کے دونوں ساتھیوں نے بیک وقت راشدی صاحب پر فائر کیا تھا۔

"لو بھئی، تمہارے راشدی صاحب تو گئے" رے راٹا ہنسا۔

"ہاں، ایک دن ہم بھی چلے جائیں گے۔ کوئی بھی نہیں بچے گا — فاروق نے جذباتی آواز میں کہا۔

ہیلی کاپٹر لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک رے راٹا جھکا اور وائرلیس پر اپنے ملک کی فریکوئنسی سیٹ کرنے لگا —

ہوا ہونے کا فن

"ہیلو، رے راٹا بول رہا ہوں — ہیلو، رے راٹا پلیز — اوہ شکریہ — ہاں ہم کامیاب رہے ہیں اور اب میں راشدی کو ختم کر کے انسپکٹر جمشید کے ایک بیٹے کو ساتھ لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میرا ہیلی کاپٹر اب بلند ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے، اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس میں میرے ساتھ انسپکٹر جمشید کا بیٹا بھی ہے، لہذا میں بہت جلد بخیریت ایئر پورٹ پر پہنچنے والا ہوں۔ میری کار تیار رکھی جائے۔ انسپکٹر جمشید اپنے باقی ماندہ دو بچوں کے ساتھ اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے ضرور آئے گا، لہذا پوری طرح چوکس رہا جائے — جوں ہی وہ ملک میں کسی راستے سے داخل ہو، اسے گرفتار کر لیا جائے۔ خیال رہے، وہ میک اپ میں ہوگا، لیکن ہمارے پاس میک اپ زدہ چہروں کو پرکھنے والے ماہرین کی کمی نہیں۔ ایسے ماہر ہر اس راستے پر لگا دیے جائیں، جس جس سے ان کے آنے کا امکان ہے اور گرفتار کیے جانے کے فوراً بعد ان لوگوں

کو مجھ تک پہنچا دیا جائے — او کے، میرے پہنچنے میں پینتالیس
منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے — ہاں شکریہ، اور ہاں ایک بات
تو رہ ہی گئی۔ جب میں نے راشدی کو ختم کرنے کا پلان بنایا تھا تو
اس وقت میرے گھر میں ضرور کوئی غدار موجود تھا۔ ورنہ راشدی کے ملک
میں میرا سامنا انسپکٹر جمشید سے نہ ہوتا — ایسا معلوم ہوتا ہے، اسے
میرے آنے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ اس لیے وہ پہلے سے
ہی تیار تھا، لہٰذا میں چاہتا ہوں، میرے گھر سے میرے تمام سابقہ
ملازمین کو ہٹا دیا جائے۔ نئے ملازموں کا انتخاب میں خود کروں گا
وقتی طور پر وہ نئے آدمی جو قابل اعتماد ہوں، وہاں بھیج دیے
جائیں، تاکہ دقت نہ ہو۔"

"مطمئن رہیں مسٹر رے راٹا، آپ کے ہر حکم کی پوری طرح
تعمیل کی جائے گی — آپ کو رہائی مبارک ہو۔"

"رہائی کی کیا بات ہے، وہ تو میں جس وقت چاہتا نکل
سکتا تھا — انسپکٹر جمشید کے ملک کی جیلیں بھلا مجھے کیا روک سکتی
ہیں۔" اس نے پُر غرور لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے
وائرلیس سیٹ کو آف کر دیا۔

"کیوں بھئی، کیسی رہی؟" اس نے فاروق کی طرف دیکھے بغیر
کہا۔

"ابھی تک تو اچھی ہی جا رہی ہے — آگے آگے دیکھیے ہوتا

ہے کیا — ویسے تم نے بد عہدی کر کے اچھا نہیں کیا۔ میرے والد صاحب
راشدی صاحب کی موت کا انتقام ہر حال میں لیں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ وہ انتقام لینے کے لیے ضرور آئے۔"

"چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔
مسٹر رے راٹا، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے تمہارے پر نکل آئے ہیں۔"
فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"کیا مطلب؟" رے راٹا حیران ہو کر بولا۔

"جب کوئی شخص خود کو بہت طاقت ور اور ناقابلِ تسخیر
خیال کرنے لگے تو یہ گویا اس کے خاتمہ کی علامت ہے۔"

"چھوڑو بھئی، خشک باتیں نہ کرو، اپنی اس زبان کو حرکت
میں لاؤ، جس سے شوخی جھڑا کرتی ہے۔"

"ایک محبِ وطن کی موت پر میں کس طرح چہک سکتا ہوں،
تاہم تمہارا حکم بھی مانے بغیر چارہ نہیں، لہٰذا میں کوشش کروں گا کہ
تم مایوس نہ ہو۔"

"ہاں، یہ ہوئی نا بات، تم واقعی زندہ دل ہو اور مجھے زندہ
دل لوگ بہت پسند ہیں۔"

"تو کیا تمہارے ملک میں زندہ دل لوگوں کی کمی واقع ہو
گئی ہے؟" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مجھے جو ساتھ لے جا رہے ہو۔ فکر نہ کرو، میں اس کی کو پورا کرنے کی پوری کوشش کروں گا" فاروق اب اپنے رنگ پر آتا جا رہا تھا۔

"بہت خوب، یہ ہوئی بات" رے راٹا خوش ہو کر بولا۔

"مسٹر رے راٹا، بات ابھی کہاں ہوئی ہے۔ یہ تو بات کا صرف بچہ تھا" فاروق بولا۔

"بات کا بچہ" رے راٹا نے قہقہہ لگایا۔ وہ بالکل صاف اردو بول رہا تھا اور اس بات پر فاروق کو حیرت ہو رہی تھی۔

"کمال ہے، تم اس قدر صاف اردو بول لیتے ہو"

"ہاں، جب کہ میرے ملک میں انگریزی زبان بولی جاتی ہے، لیکن چونکہ مجھے مختلف ملکوں میں مہمات کے سلسلے میں جانا پڑتا ہے، اس لیے میں نے مختلف زبانوں پر عبور حاصل کیا ہے"

"کاش، تمہیں شرافت پر بھی عبور ہوتا۔ تم نے ایک عہد کیا اور پھر بد عہدی کی۔ تم جیسے بڑے جاسوس سے اس کی امید تو نہیں کی جا سکتی تھی"

"پھر وہی بات۔ زندہ دلوں والی باتیں کرو"

"بہت اچھا، اب میں تمہیں ایک ایسا زندہ دل بن کر دکھاؤں گا کہ زندہ دلی بھی بے چاری شرمندہ ہو کر رہ جائے گی"

رے راٹا اس کی بات پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسی وقت

وائرلیس پر اشارا موصول ہوا اور وہ ادھر متوجہ ہو گیا۔

"ہیلو رے راٹا پلیز"

"تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ ایئر پورٹ پر آپ کو نیلی روشنی سے اشارا دیا جائے گا، تاکہ آپ ایک خاص حصے میں اتر کر بیرونی سمت سے ہی اپنی آرام گاہ تک پہنچ جائیں"

"بہت خوب، یہ ہوئی نا بات" یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا:

"بس میں پہنچا ہی چاہتا ہوں"

اور اس کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد ہیلی کاپٹر نیچے اتر رہا تھا۔ جوں ہی اس نے زمین کو چھوا اور رے راٹا فاروق کے ساتھ نیچے اترا، کتنے ہی آفیسر اٹین شن ہو گئے اور ایک لمبی سی کار رے راٹا کے قریب آ گئی۔

"مشن میں شاندار کامیابی مبارک ہو سر"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے" اس نے کہا اور کار میں بیٹھ گیا۔ فاروق بھی اس کے اشارا کرنے پر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"یہ بہت شوخ لڑکا ہے۔ جب تک اس کا باپ اور بھائی بہن یہاں نہیں پہنچ جاتے، اس وقت تک میں اسے ساتھ ہی رکھوں گا۔ چلو بھئی" اس نے کہا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ فاروق نے دیکھا، ان کی کار کے پیچھے بھی تین کاریں تھیں۔ آدھر

گھنٹے کے سفر کے بعد کار ایک عظیم الشان مکان میں داخل ہو رہی تھی۔
دو ملازم گیٹ پر استقبال کرنے کے انداز میں کھڑے تھے۔
پچھلی کاریں بھی رک گئیں — آفیسرز ان میں سے اتر پڑے۔
"ٹھیک ہے، میں کچھ تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ آپ لوگ جا سکتے
ہیں، لیکن جوں ہی انسپکٹر جمشید وغیرہ کو گرفتار کیا جائے، انہیں مجھ
تک پہنچا دیا جائے — اور ہاں، میں چند دن گھر میں آرام کروں گا۔
اس لیے تمام ضروری کاغذات گھر پر ہی بھجوا دیے جائیں۔ میں انہیں
یہیں دیکھ لوں گا۔"
"جی بہتر۔" انہوں نے ایک بار پھر سیلوٹ کیا اور واپس
مڑ گئے — رے راٹا فاروق کو ساتھ لیے اندر کی طرف بڑھا۔ ملازم
ایک قدم آگے چل رہے تھے: گویا بچھے جا رہے تھے — ایک
کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئے اور وہ اس کمرے میں
داخل ہوئے۔ کمرے کی پُر آسائش چیزیں دیکھ کر فاروق کا سانس
سینے میں اٹکنے لگا۔
"کافی تیار کر لاؤ۔" رے راٹا نے ملازموں سے کہا۔
"او کے سر۔" دونوں جھک کر بولے اور چلے گئے۔
"ہاں بھئی، وہ تمہاری شوخی کہاں گئی۔" رے راٹا مسکرایا۔
"شاید اس کمرے کی چیزیں دیکھ کر ہوا ہو گئی ہے، لیکن آپ
فکر نہ کریں — میں بہت جلد اس پر قابو پا لوں گا۔"

"لیکن اس کے لیے تو تمہیں خود بھی ہوا ہونا پڑے گا۔"
"آپ فکر نہ کریں، مجھے ہوا ہونے کا فن آتا ہے۔" فاروق
بولا۔
عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی — رے راٹا نے ریسیور اٹھایا
اور کان سے لگاتے ہوئے بولا:
"رے راٹا پلیز۔"
"سر، ابھی ابھی میک اپ میں ایک نوجوان، ایک لڑکے اور
ایک لڑکی کو جہاز سے اترتے دیکھا گیا ہے — ان کے کاغذات مکمل
ہیں، وہ ملک میں سیر کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔"
"اور انسپکٹر جمشید کے ملک کے ہیں۔"
"جی نہیں، لیکن آ رہے ہیں انسپکٹر جمشید کے ملک سے ہی۔"
"تب پھر وہ ضرور میک اپ میں ہیں۔ انہیں میرے پاس پہنچا دو۔"
"جی اچھی بات ہے۔"
رے راٹا نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ ملازم کافی لے کر اندر داخل
ہوا —
"کیوں بھئی، کافی سے شوق کرو گے؟"
"جی نہیں، میں اس شوق سے محفوظ ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔
"خیر بھئی، میں تو کافی ضرور پیوں گا۔ تمہارے ملک کی جیلوں
میں تو کافی بھی پیش نہیں کی جاتی۔ خیر، تم یہ سن کر خوش ہوئے

ہو گے کہ تمہارے والد اور بھائی بہن بھی یہاں آ گئے ہیں۔"

"حیرت ہے، وہ اتنی جلدی کس طرح آ گئے؟"

"بھئی آخر وہ انسپکٹر جمشید ہیں۔ کوئی مذاق تو نہیں ہیں۔" رے راٹا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں، وہ مذاق تو واقعی نہیں ہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

آدھ گھنٹے بعد ملازم نے آ کر بتایا:

"کچھ آفیسر تین قیدیوں کو لے کر حاضر ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، انہیں یہیں لے آؤ۔"

فاروق کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔ ایک منٹ بعد انسپکٹر جمشید، محمود اور فرزانہ دوسرے آفیسرز کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے فاروق، ہم تمہیں زندہ دیکھ رہے ہیں۔" فرزانہ اس کی طرف لپکی۔ محمود بھی اس کی طرف جھپٹا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اتنی جلد تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"چلو، کوئی بات نہیں، اب سوچ لو۔" فاروق بولا۔

"انسپکٹر جمشید، آپ کیوں خاموش ہیں؟" رے راٹا نے ہنس کر کہا۔

"میں بچوں کی باتیں سن رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"تو ان لوگوں کے چہروں پر میک اپ کیا گیا تھا۔" رے راٹا آفیسرز کی طرف مڑا۔

"جی ہاں، ماہرین نے معمولی سی کوشش سے میک اپ اتار دیا۔"

"ٹھیک ہے، اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

"کیا آپ ان سے خطرہ محسوس نہیں کرتے؟" ایک آفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں، یہ چاروں نہتے ہیں اور میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، پھر میں نے یہاں جو حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں، وہ الگ ہیں۔"

"او کے سر۔" انہوں نے سیلوٹ کیا اور نکل گئے۔

"اب ہم بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" رے راٹا نے ان سے کہا۔

ابھی وہ اطمینان سے بیٹھے بھی نہیں تھے کہ ملازم ایک بار پھر حاضر ہوا اور بولا:

"دفتر سے کاغذات آ گئے ہیں سر۔"

"کتنے آدمی کاغذات لے کر آئے ہیں؟"

"تین آدمی۔ ملٹری کی تین جیپیں بھی حفاظت کے لیے ساتھ آئی ہیں۔"

"ہوں، آنے دو۔ ملٹری مین باہر ہی ٹھہریں۔"

"اوکے سر" ملازم نے کہا اور چلا گیا۔

دو منٹ بعد تین آدمی پلاسٹک کی تین ٹریز اٹھائے اندر داخل ہوئے۔

"گڈ نون سر"

"نون — کیسے ہو بھئی؟"

"بالکل ٹھیک — آپ کچھ کمزور نظر آ رہے ہیں" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں، ان کے ملک کی جیلیں اس قدر ناقص ہیں کہ کیا بتاؤں — پھر بتاؤں گا اور دکھاؤں گا انہیں کہ جیلیں کیسی ہوتی ہیں — ٹریز ادھر رکھ دو میز پر" اس نے کہا۔ یہاں آنے کے بعد وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

"کیا ہم ان کاغذات کو دیکھنے کے لیے بطور مددگار یہاں موجود رہیں؟"

"نہیں بھئی، میں دیکھ لوں گا"

"لیکن سر، ان لوگوں کی موجودگی میں کاغذات کو دیکھنا..."

"بس بس، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں — یہ لوگ کتنے پانی میں ہیں، یہ بھی خوب جانتا ہوں — تم دیکھ نہیں رہے، میں کتنی آسانی سے انہیں یہاں لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اپنے وقت کا ہوشیار ترین آدمی کیسے بھیگی بلی بنا بیٹھا ہے" اس نے انسپکٹر جمشید

کی طرف دیکھا۔

"بہت بہتر سر، تو پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ ہم کب حاضر ہوں، ڈاک وغیرہ کے لیے"

"کل اسی وقت — اس وقت تک میں تمام کاغذات دیکھ لوں گا — کوئی اور خاص بات"

"صدر صاحب آپ سے کسی خاص معاملے پر بات کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہدایت فرمائی تھی کہ جوں ہی آپ کو فرصت ملے، ان سے فون پر بات کریں"

"اوہ، تو پھر ملائیے فون" رے ڈاٹا نے چونک کر کہا۔

ایک آفیسر فون پر نمبر ملانے لگا۔ پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد کہیں جا کر نمبر مل سکے۔ آفیسر نے دوسری طرف سے فون سننے والے سے کہا۔

"مسٹر رے ڈاٹا صدر صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں" اس نے کہا، پھر ریسیور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"لیجیے، بات کیجیے"

رے ڈاٹا نے ریسیور لیا اور بولا:

"ہیلو سر، مزاج کیسے ہیں؟" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا۔ صدر صاحب تیزی سے کچھ کہتے چلے گئے اور وہ سنتا چلا گیا۔ آخر بولا:

"آپ فکر نہ کریں — میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا۔" یہ کہہ کر
پھر دوسری طرف کی بات سنتا رہا اور آخر بولا:
"یہ ٹھیک ہے، ہم ان لوگوں کی وجہ سے دشمن ملک پر دباؤ
ڈال سکتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو ضرور چھوڑنا چاہیں گے۔"
ایک منٹ تک دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے
رسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:
"صدر صاحب چاہتے ہیں، تم لوگوں کی رہائی کے بدلے میں
اپنے کچھ جاسوس آزاد کروا لیے جائیں اور کچھ اور شرائط بھی منوالی
جائیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے ان تینوں کو چلے جانے کا
اشارہ کیا۔ وہ سیلوٹ کرنے کے بعد کمرے سے نکل گئے۔
"آپ بہتر جانتے ہیں، ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" محمود نے منہ بنا
کر کہا۔
"تم لوگ بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو — شاید اس لیے کہ
چوہوں کی طرح پھنس گئے ہو۔" رے واٹا ہنسا: "یا پھر تم کوئی چال
چلنے کے موڈ میں ہو، لیکن میرا خیال ہے، تمہاری کوئی چال کارگر نہیں
ہوگی — یہ میرا ملک ہے — یہاں میرا حکم چلتا ہے — یہاں کا صدر
بھی مجھ سے بات کرنے کے لیے میرے فارغ ہونے کا انتظار کرتا
ہے۔"
"ہاں، یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔"

عین اسی وقت ایک ملازم دروازے پر نمودار ہوا اور بولا:
"سر، آپ کے نائب مسٹر مونٹاف تشریف لائے ہیں۔"
"مونٹاف" رے واٹا نے کہا اور اس کی پیشانی پر بل پڑ
گئے: "ٹھیک ہے، اسے بھی آنے دو۔"
ملازم چلا گیا — محمود فوراً بولا:
"معلوم ہوتا ہے، آپ کو مونٹاف کی آمد گراں گزری ہے۔"
"ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔"
اسی وقت قدموں کی آواز ابھری اور ایک لمبا چوڑا آدمی
اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں — جسم گٹھا ہوا تھا۔
آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ بے حد تیز طرار اور پھرتیلا محسوس ہو رہا تھا۔
آتے ہی بولا:
"ہیلو باس — مبارک ہو — آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہو
رہی ہے، تو یہ ہیں وہ چوہے، لیکن باس میں حیران ہوں، یہ
شخص آپ کو شکست دینے میں کس طرح کامیاب ہو گیا تھا — اس
میں ایسی کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"
"خاص بات تو اس وقت نظر آیا کرتی ہے مسٹر مونٹاف، جب
ہاتھوں میں ہاتھ پڑیں۔" محمود جل کر بولا۔
"اچھا، یہ بات ہے تو میں ابھی تمہارے والد کے ہاتھوں میں
ہاتھ ڈالے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا۔

"ارے ارے ٹھہرو، یہاں نہیں" رے راٹا نے بوکھلا کر کہا۔
لیکن اتنی دیر میں مونٹاف ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

پُراسرار بے ہوشی

اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید سنبھل سکتے، مونٹاف کا زبردست مکا ان کے سر پر پڑا اور وہ ایک ہلکی سی چیخ مار کر کرسی سے نیچے گر پڑے۔

"یہ — یہ دھوکا ہے — وار کرنے سے پہلے انہیں سنبھلنے یا ہوشیار ہونے کا موقع نہیں دیا گیا — مسٹر مونٹاف اگر تم خود کو اتنا ہی سورما سمجھتے ہو تو آؤ — ہم سے دو دو ہاتھ کر لو" محمود نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا — باپ میرا ایک مکا سہہ نہیں سکا، چلے ہیں بیٹے مقابلہ کرنے" مونٹاف نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہاں مہمانوں پر اس طرح ہاتھ اٹھایا جا سکتا ہے" فرزانہ بولی۔

"مہمان، تو کیا مسٹر رے راٹا تمہارے ملک میں مہمان نہیں تھے؟"

مونٹاف نے منہ بنایا۔

"نہیں، یہ تو ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے آئے تھے۔"

"اور تم نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں آئے؟" مونٹاف گرجا۔

"یوں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم فاروق کو چھڑانے آئے تھے، لیکن فاروق کو چھڑاتے ہوئے اگر ہم تمہارے ملک کو کچھ نقصان بھی پہنچا سکیں، تو ہم اس پر فخر بھی کر سکیں گے، کیونکہ یہ جوابی کارروائی ہوگی۔ راشدی صاحب کو بھی یہاں جوابی کارروائی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تمہارے ملک کے جاسوس ان سے پہلے ہمارے ملک کی بعض بہت قیمتی چیزیں لے اڑے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بدلے میں راشدی صاحب کو بھیجا گیا۔"

"خیر خیر، اگر تم سمجھتے ہو کہ مجھے شکست دے سکتے ہو تو میں ایک ہی وقت میں تم تینوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے کہا۔

"یوں تو ہم میں سے ایک ہی تمہارے لیے کافی ہوگا، لیکن ہم تمہارا دل نہیں توڑیں گے۔ کہیں تم یہ سوچ کر نہ مر جاؤ کہ ایک بچے نے تمہیں شکست سے دوچار کر دیا۔"

"خاموش۔" مونٹاف گرجا اور ان پر جھپٹ پڑا۔ ایک بار پھر رے ڈاٹ ارے ارے کہہ کر رہ گیا، لیکن اس مرتبہ اس کے

ارے ارے میں جان نہیں تھی۔ شاید وہ بھی اس دلچسپ مقابلے کو دیکھنا چاہتا تھا اور پھر اس بہترین طرز پر سجے کمرے میں گویا زلزلہ آ گیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ تین مختلف سمتوں میں پھیل گئے۔ مونٹاف اب ان کے درمیان میں تھا۔ اس نے سب سے پہلے محمود پر حملہ کیا۔ بلا کی رفتار سے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے اپنی پیٹ میں لیتا ہوا دیوار تک چلا گیا۔ محمود نے خود کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن آخر وہ دیوار سے ٹکرا ہی گیا۔ چوٹ تو اسے بہت زبردست آئی، لیکن عقلمندی اس نے یہ کی کہ چوٹ کو پیتے ہوئے لڑھکنی کھا گیا اور دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ اس دوران فاروق مونٹاف پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس نے سر کی ٹکر اس کی کمر پر دے ماری۔ وہ چونکہ محمود کو رگیدتا جا رہا تھا، اس لیے سنبھل نہ سکا اور دیوار سے ٹکرایا۔ لیکن پھر جھلا کر مڑا اور اپنی ایک ٹانگ فاروق کے پیٹ میں رسید کر دی۔ فاروق دوہرا ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کا دوہتڑ اس کی کمر پر لگا اور وہ دھپ سے قالین پر گرا۔ اگر قالین نہ بچھا ہوتا، تو منہ پر زبردست چوٹ آتی۔ یہ دیکھ کر فرزانہ حرکت میں آئی۔ اس نے ایک چکر کاٹا اور اچھل کر کمر کی طرف سے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیے۔ اب وہ اس کی گردن سے لٹکی ہوئی تھی اور یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ مونٹاف نے اپنی گردن چھڑانے کے لیے

زور دار جھٹکا مارا، لیکن فرزانہ کی گرفت بھی مضبوط تھی۔ اتنے میں محمود
سنبھل کر ان کی طرف آیا اور مونٹاف کی ناک پر ایک مکا رسید
کر دیا۔ فاروق بھی بھنا کر اٹھ چکا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ،
اپنے جوتے کی ایڑی مونٹاف کی پنڈلی کی ہڈی پر دے ماری۔ محمود
اور فاروق دونوں اسے ضرب پہنچانے میں صرف اس لیے کامیاب
ہو گئے کہ فرزانہ اس کے گلے سے چمٹ کر رہ گئی تھی اور اس کے
دونوں ہاتھ فرزانہ کے بازو الگ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس سے
پہلے کہ وہ اپنے ہاتھ اس کے بازوؤں سے ہٹا کر ان کے وار روکتا
دونوں پے در پے کئی وار کر چکے تھے۔ مجبور ہو کر اسے اپنے ہاتھ
ہٹانا پڑے۔ اس کے ایسا کرتے ہی فرزانہ کو اور موقع مل گیا۔
اس نے گردن پر پوری قوت صرف کر دی۔ مونٹاف کا گلا گھٹنے لگا۔
اس نے بے بسی سے دونوں ہاتھ محمود اور فاروق کی طرف چلائے۔
اور بے تاب ہو کر پھر فرزانہ کے بازوؤں کی طرف بڑھائے۔ یہ دیکھ
کر محمود نے اس کے ایک ہاتھ پر اپنے دونوں ہاتھ جما دیے۔ فاروق
نے بھی فوراً اس کی ترکیب پر عمل کیا اور دوسرا ہاتھ قابو میں کر لیا۔
اب مونٹاف صرف پیروں سے کام لے سکتا تھا اور اس نے کام
لینے کی بھرپور کوشش کی۔ پہلے تو اس نے ایک زور دار چکر کھایا۔
جب اس طرح بھی کچھ نہ بنا تو الٹے قدموں دیوار کی طرف چلا —
یہاں تک کہ خود کو دیوار سے دے مارا — اس طرح فرزانہ کا جسم

پورے زور سے دیوار سے ٹکرایا — اور اسے اپنی پسلیاں کڑکڑاتی
محسوس ہوئیں؛ تاہم اس نے بھی بازو اس کی گردن سے نہیں
ہٹائے، کیونکہ اس کی گردن آزاد ہونے کی دیر تھی، وہ محمود اور
فاروق کو فوراً پرے جھٹک دیتا اور ایک بار پھر خون ریز جنگ
شروع ہو جاتی۔ جب کہ اس وقت دشمن ان کی گرفت میں تھا۔
محمود اور فاروق نے جب یہ دیکھا کہ فرزانہ مشکل میں ہے تو اس
کے دونوں بازوؤں کو دیوار سے دور کھینچنے لگے، جب کہ مونٹاف
خود کو دیوار کی طرف لے جانے کی کوشش میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
رسّا کشی کی صورت پیدا ہو گئی اور پھر فرزانہ کے بازوؤں کی طاقت
کام کر گئی۔ مونٹاف کا سانس رکنے لگا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں
بولا:

"بب باس — مجھے، بچا، بچائیے۔"

"یہ لڑائی تم نے میری مرضی کے خلاف شروع کی تھی۔ تم
نے ان تینوں کو خود دعوت دی تھی لڑنے کی۔ اب میں کیا کر سکتا
ہوں۔" رے راٹا نے کندھے اچکائے۔

"تم، میں — میں آپ کا اسسٹنٹ ...؟"

"میں، میں جانتا ہوں۔" رے راٹا مسکرایا۔

"آپ — آپ کس طرح مسکرا رہے ہیں — آپ — آپ کی
آواز ..." حیرت زدہ سے انداز میں اس کے منہ سے نکلا۔

اور اس کے الفاظ کا گلا گھٹ گیا۔ فرزانہ کے بازوؤں کا دباؤ اب حد درجے بڑھ گیا تھا۔ اس کا سانس اٹکنے لگا۔ ایسے میں حلق سے الفاظ کیا نکلتے۔ اس نے آخری بار نفرت زدہ انداز میں رے راٹا کی طرف دیکھا اور پھر اس کا جسم تھرتھرانے لگا۔ زبان باہر نکل آئی۔ آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔ اس پر بھی فرزانہ نے اسے نہ چھوڑا۔ پوری طرح اطمینان کیے بغیر کس طرح چھوڑ سکتی تھی۔ آخر مونٹاف کی گردن ڈھلک گئی ۔۔ تب کہیں جا کر فرزانہ اسے چھوڑ کر الگ ہٹی۔ مونٹاف کا بے جان لاش اب قالین پر پڑا تھا۔

"خوب، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا۔ اس نے کمرے کا منظر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، آخر لرزتی آواز میں بولا:

"یہ ۔۔ یہ کیا ہوا سر؟"

"مقابلہ ۔۔ مونٹاف نے ان لوگوں سے مقابلہ کیا اور مارا گیا، جس کا مجھے بہت افسوس ہے، لیکن یہ مقابلہ اس نے میری اجازت کے بغیر شروع کیا تھا۔ وہ ان بچوں کے باپ پر بلا وجہ ہی ٹوٹ پڑا، لہٰذا یہ بھی اس سے بھڑ گئے ۔۔ مجھے یہ مقابلہ بہت دلچسپ لگا لہٰذا میں نے بھی مونٹاف کو روکنا پسند نہیں کیا۔"

"لیکن سر، اب لاش کا کیا کیا جائے؟" ملازم نے پریشان ہو

کر کہا۔

"کرنا کرانا کیا ہے ۔۔۔۔۔ تم اسے کار کی ڈگی میں رکھو اور کسی سڑک کے کنارے ڈال آؤ ۔۔ پولیس یہی نتیجہ نکالے گی کہ مونٹاف کسی دشمن کے ہتھے چڑھ گیا۔"

"لیکن جناب، مسٹر مونٹاف کی یہاں آمد کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ باہر مونٹاف کی گاڑی موجود ہے اور ان کا ڈرائیور گاڑی میں بیٹھا ہے۔"

"اوہ، تب تو معاملہ سب کے سامنے لانا ہوگا۔" رے راٹا پریشان ہو کر بولا۔

"لیکن آپ کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے دوست کیپٹن برنٹ کو بلوائیے اور لاش اس کے حوالے کر دیجیے ۔۔ باقی معاملات وہ خود ہی دیکھ لے گا۔"

"اوہ ہاں، میں تو برنٹ کو بھول ہی گیا ۔۔ چلو تم ہی فون کرو اسے۔" رے راٹا نے فوراً کہا۔

"جی بہتر۔" ملازم نے کہا اور فون کرنے لگا ۔۔ جونہی اس نے فون کرنے کے بعد ریسیور رکھا ۔۔ رے راٹا بولا:

"میرے لیے ایک عدد ہیلی کاپٹر کے لیے بھی فون کرو۔ میں ان لوگوں کو اپنے شہر کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور پھر فون کرنے لگا ۔۔

ہیلی کاپٹر ہر طرح تیار ملنا چاہیے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر — سیکرٹری صاحب نے ہمیں تمام باتیں اچھی طرح سمجھا دی تھیں۔"

"گڈ۔" رے ڈاٹما خوش ہو کر بولا: "میں ملازموں کی تبدیلی سے کوئی الجھن محسوس نہیں کر رہا۔"

"شکریہ سر۔" ملازم بولا۔ اسی وقت رابطہ قائم ہو گیا اور ملازم ہیلی کاپٹر کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

اس دوران محمود، فاروق اور فرزانہ انسپکٹر جمشید کی طرف متوجہ ہو چکے تھے — وہ اب ہوش میں تھے، لیکن بجھے بجھے نظر آ رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ مونٹاف کا ایک مکا ہی انہیں ڈھیر کر گیا تھا — سر پر زخم نہیں آیا تھا، لہٰذا فکر والی کوئی بات نہیں تھی۔

"ہم نے آپ کا انتقام لے لیا ہے ابا جان، مونٹاف اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"ہاں، میں تم لوگوں کو لڑتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "تمہیں مونٹاف کو جان سے نہیں مارنا چاہیے تھا۔"

"اگر ہم اسے جان سے نہ مارتے تو وہ ہم میں سے ایک آدھ کو ضرور ہلاک کر دیتا — آپ نے دیکھا نہیں، کس قدر وحشیانہ انداز میں آپ پر حملہ آور ہوا تھا۔"

"ہاں، شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے بولے اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

پندرہ منٹ بعد کیپٹن برنٹ اندر داخل ہوا:

"گڈ نون سر۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے سلام کیا۔

"نون — کیسے ہو برنٹ؟"

"بس ٹھیک ہی ہوں — یہ سب کیسے ہوا؟" اس نے مونٹاف کی لاش کی طرف دیکھا۔

رے ڈاٹما نے اسے تفصیل سنا دی۔ کیپٹن برنٹ کھڑا سنتا رہا۔ اس نے بیٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ مونٹاف کی لاش کو یہاں سے لے جایا جائے اور اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے — یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔"

"لیکن سر، رپورٹ تو درج کرنا ہو گی اور ان لوگوں کو گرفتار بھی کرنا ہو گا۔"

"یہ تو پہلے ہی میرے قیدی ہیں۔ مجھے ان لوگوں سے ان کے ملک کے بہت سے راز معلوم کرنا ہیں، لہٰذا میں انہیں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا — ہاں، جب میں ان سے اپنا مطلب پورا کر چکوں گا، اس وقت مونٹاف کے قاتلوں کی حیثیت سے یہ تمہارے

حوالے کر دیے جائیں گے، پھر تم عدالت سے جو سزا بھی چاہو، انہیں
دلا سکتے ہو۔"

"تھینک یو سر۔" اس نے کہا اور اپنے پیچھے کھڑے
ماتحتوں کو لاش اٹھانے اور کمرے کی صفائی کر دینے کا اشارہ
کیا۔

اچانک کیپٹن برنٹ کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے
لگے۔ انہوں نے اس بات کو صاف محسوس کیا۔ رے واٹا بھی
محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"خیر تو ہے کیپٹن برنٹ، تم کچھ پریشان دکھائی دے
رہے ہو۔"

"نہیں تو سر — م ۔ میں تو بالکل بھی پریشان نہیں ہوں۔
دراصل میں کچھ وقت مونٹاف کی ماتحتی میں گزار چکا ہوں۔ مجھے
وہ دن یاد آ گئے تھے — ایسے موقعوں پر آدمی غمگین ہو جاتا
ہے۔"

"ہوں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" رے واٹا بولا۔

"اف خدا، تت — تو — تو کیا۔" کیپٹن برنٹ کے منہ
سے کپکپاتی آواز میں نکلا، پھر اس نے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ
لیے۔

"کیا بات ہے برنٹ؟" اب تو رے واٹا نے بھی پریشان

ہو کر کہا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید انہیں حیرت بھری نظروں
سے دیکھ رہے تھے۔

اس وقت تک کیپٹن برنٹ کے ماتحت لاش اٹھا کر باہر
لے جا چکے تھے، البتہ کمرے کی صفائی کا کام ابھی رہتا تھا اور
وہ پھر آنے والے تھے۔

نہ جانے کیوں کیپٹن برنٹ کی پیشانی پسینے سے بھیگ گئی۔ یہ
دیکھ کر رے واٹا حد درجے پریشان ہو گیا — وہ بے تاب ہو کر
برنٹ کی طرف بڑھا۔

"مسٹر برنٹ، آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ تم نے کوئی نشہ تو
نہیں کر رکھا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی رے واٹا نے برنٹ کو دونوں
شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا — برنٹ کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔
اس نے منہ سے کچھ کہنا چاہا، لیکن پھر یکدم اس کی آنکھیں بند
ہو گئیں۔

"مسٹر برنٹ، ہوش میں آؤ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔" رے واٹا
ابھی تک پریشانی کے عالم میں کہے جا رہا تھا — اسی وقت
اس کے ماتحت اندر داخل ہوئے اور اس منظر کو دیکھ کر بھونچکے
رہ گئے۔

"کیا ہوا سر؟" ان میں سے ایک کے منہ سے نکلا۔

"پپ، پتا نہیں، یکایک برنٹ کی حالت خراب ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے، یہ بے ہوش ہوگئے ہیں۔ ذرا پانی کا جگ تو لانا۔"

"ابھی لایا سر۔" ایک ماتحت نے کہا اور پانی لینے باہر کی طرف دوڑا۔ جلد ہی وہ پانی کا جگ لیے اندر داخل ہوا۔ برنٹ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے گئے، لیکن کچھ نہ بنا۔ اس کی آنکھیں بند ہی رہیں۔

"حیرت ہے، یہ کیسی بے ہوشی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، برنٹ پر کبھی ایسا دورہ نہیں پڑا۔"

"نہیں سر، کبھی نہیں۔" برنٹ کے ایک ماتحت نے کہا۔

"تب پھر فوراً انہیں ہسپتال پہنچانا چاہیے۔ اس کمرے کی صفائی گھریلو ملازم خود ہی کرتے رہیں گے۔ تم انہیں ہسپتال پہنچاؤ، اور مجھے فون پر اطلاع دو۔ مجھے امید ہے، یہ وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد ہوش میں آجائیں گے۔"

"اوکے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔"

انھوں نے برنٹ کو ہاتھوں پر اٹھایا اور باہر لے چلے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔ دے داٹا نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔

کیپٹن برنٹ

"یس سر، ہیلی کاپٹر بالکل تیار ہے۔ ایک کار آپ کے لیے ایرپورٹ سے روانہ کی گئی ہے، تاکہ آپ کو ہیلی کاپٹر تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو۔"

"اوہ، تھینک یو۔" دے داٹا نے خوش ہوکر کہا، پھر ان کی طرف مڑ کر بولا:

"آؤ بھئی، پہلے تمہیں اپنے شہر کی سیر فضا سے کرادوں۔ اس کے بعد تمہیں میرے کچھ سوالات کے جواب دینا ہوں گے۔ اگر تم لوگوں نے درست جوابات دیے تو میں تم لوگوں کے لیے نرم سزا کی سفارش کروں گا اور میری سفارش اس ملک کا کوئی جج نہیں ٹال سکتا۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے، سوالات کے بالکل درست جواب دیتے ہو یا نہیں۔"

"پہلے ہم سیر کرلیں۔ اس موضوع پر گفتگو بعد میں ہوگی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلو ٹھیک ہے" اس نے مسکرا کر کہا۔

اسی وقت باہر سے کار کے ہارن کی آواز سنائی دی — وہ کمرے سے نکل کر باہر آئے۔ ملازم راستے میں ملے۔

"ہم ذرا سیر کے لیے جا رہے ہیں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک واپس آ جائیں گے — اس دوران اگر برنٹ کی طرف سے کوئی اطلاع آئے تو نوٹ کر لینا"

"جی بہتر" دونوں ایک ساتھ بولے۔

اور وہ کار میں بیٹھ گئے — رے راٹم ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا۔ انہیں پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا۔ کار برق رفتاری سے ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔

"انسپکٹر جمشید، تم ان لمحات کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"عجیب، بہت ہی عجیب" انہوں نے کہا۔

"لیکن یہ لمحات بہت جلد تم لوگوں کے لیے تکلیف دہ بھی ثابت ہونے والے ہیں"

"ہاں، نظر تو یہی آتا ہے"

دفعتہً فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے — اس نے سرسری آواز میں کہا۔

"ایک سفید کار ہمارا پیچھا کر رہی ہے"

"ہاں، میں محسوس کر چکا ہوں" رے راٹم نے کہا، پھر ایک

لمحے کے لیے رک کر بولا: "لیکن میرے ملک میں میری کار کا تعاقب کرنے کی بھلا کس میں جرأت ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے، یہ کار حفاظتی نظریے کے تحت ہمارے پیچھے روانہ کی گئی ہو، کیونکہ تم لوگوں کے ملک کا کوئی جاسوس بھی تو تمہاری مدد کو پہنچ سکتا ہے"

"ہوں، لیکن اس کار کی رفتار بہت تیز ہے اور کئی موقعوں پر یہ آگے نکل جانے کی کوشش کر چکی ہے" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ہوں، فرزانہ ٹھیک کہتی ہے۔ مجھے اس کار میں کالا نظر آ رہا ہے" فاروق گنگنایا۔

"کار میں کالا، وہ بھی سفید کار میں؛ حالانکہ دال میں کالا ہوتا ہے" محمود نے اسے گھورا۔

"اب اس ملک میں دال کہاں سے لاؤں" فاروق جھنجھلا اٹھا۔

"کہیں اس کار میں کوئی دشمن ہی نہ ہو۔ ڈرائیور، اسے آگے نہ نکلنے دینا۔ جس قدر تیز چل سکتے ہو چلو، میں ذرا اس کے مقابلے کی تیاری کر لوں" یہ کہہ کر رے راٹم نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ بھی چوکس ہو کر بیٹھ گئے — انسپکٹر جمشید برابر عقب نما آئینے میں دیکھ رہے تھے۔

"ان کے ارادے نیک نظر نہیں آتے" فرزانہ بڑبڑائی: "یہ تو ہماری کار کے ڈرائیور بہت ماہر ہیں جو وہ اب تک ہماری گرد کو بھی

نہیں پہنچ سکے۔"

اور پھر ان کی کار ایئرپورٹ کی حدود میں داخل ہوگئی۔ عین
اسی وقت انہوں نے سفید کار کو بھی اندر داخل ہوتے دیکھا، لیکن
پھر اسے ایئرپورٹ پر موجود سٹاف نے روک لیا۔ ان کی کار چونکہ
تھی ہی ایئرپورٹ کی، لہذا اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔

پھر ان کی حیرت اس وقت یک لخت بہت بڑھ گئی، جب
سفید کار کو بھی اندر داخلے کی اجازت مل گئی اور انہوں نے اسے
تیر کی طرح اپنی طرف آتے دیکھا۔

"مسٹر ڈرائیور، میں وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتا، لہذا سفید کار
ہمارے قریب بھی نہ پہنچ پائے۔ یہاں تک کہ ہم ہیلی کاپٹر میں
داخل ہو جائیں۔"

"فکر نہ کریں سر ۔۔۔ اس کی اتنی مجال کہاں۔" ڈرائیور نے مطمئن
لہجے میں کہا۔

ان کے ڈرائیور نے کار کی رفتار کو اور بڑھا دیا۔ انہوں نے
سفید کار کی رفتار بھی اسی قدر بڑھتے دیکھی اور ان کی پیشانیوں پر
بل پڑ گئے۔ اچانک بریک چیخ اٹھے ۔۔۔ ڈرائیور کو بہت زبردست
بریک لگانا پڑے تھے ۔۔۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سامنے سے آنے
والی ایک بس سے ٹکر ہونا لازمی تھا اور عین اسی لمحے سفید کار ان
کے برابر آگئی ۔۔۔ اس میں بیٹھے ایک شخص نے چلا کر کہا:

"کار میں موجود لوگ آگے نہیں جا سکتے، جب تک میں انہیں
چیک نہ کر لوں۔"

○

انہوں نے گردنیں گھما کر کار والے کی طرف دیکھا، وہ تنہا تھا،
خود ہی کار چلا رہا تھا۔

"کیا بکواس ہے، تم رے راٹا کو روک رہے ہو؟" رے راٹا
نے چلا کر کہا۔

"نہیں سر، آپ کے ساتھ جو لوگ جا رہے ہیں، میں انہیں
روکنا چاہتا ہوں۔" سفید کار والے نے بھی بلند آواز میں کہا۔ اسی
لمحے بس گزر گئی تھی اور ان کا ڈرائیور ایک بار پھر کار آگے
بڑھا چکا تھا، کیونکہ ابھی تک رے راٹا نے اسے کار روکنے کا
حکم نہیں دیا تھا۔

"ویری گڈ مسٹر ڈرائیور، تمہیں انعام ضرور دیا جائے گا۔" رے راٹا
نے خوش ہو کر کہا۔

"رک جائیے، ورنہ میں....." سفید کار والا پوری قوت سے
دھاڑا۔

اب سفید کار ساتھ ساتھ دوڑ رہی تھی ۔۔۔ اچانک رے راٹا کا

ہاتھ حرکت میں آیا اور ٹریگر دب گیا۔ گولی ٹھیک سفید کار والے کے دماغ میں لگی ۔۔ اس کے ساتھ ہی سفید کار الٹ گئی اور وہ آگے نکلتے چلے گئے ۔۔ کار الٹنے کا معاملہ ایسا تھا جس نے ڈیوٹی پر موجود بے شمار لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔۔ وہ سب کے سب کار کی طرف دوڑے۔

"تمہیں رکنے کی ضرورت نہیں ۔۔ یہ لوگ رے راٹما کا وقت برباد کرنے پر تل گئے ہیں ۔۔ میں انہیں بہت خوفناک سزا دوں گا۔"

"اوکے سر ۔۔ یہ دیکھئے، ہم ہیلی کاپٹر تک پہنچ گئے۔" ڈرائیور بولا۔

انہوں نے دیکھا ایک بڑا ہیلی کاپٹر ان کے سامنے تھا اور صرف چند سیکنڈ بعد وہ اس تک پہنچنے والے تھے۔

اسی وقت بہت سے پولیس سائرن بج اٹھے ۔۔ لوگ کائی کی طرح پھٹتے نظر آئے، وہ پولیس کاروں کو راستہ دے رہے تھے۔ آن کی آن میں انہیں آٹھ پولیس کاریں ہیلی کاپٹر کا رخ کرتی نظر آئیں ۔۔

"اوہو، کیا یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔" رے راٹما بڑبڑایا۔

"سر، آپ ان کی بات سن ہی کیوں نہیں لیتے ۔۔" ڈرائیور نے بریک لگاتے ہوئے کہا ۔۔ وہ ہیلی کاپٹر کے عین نیچے پہنچ گیا تھا اور اب ہیلی کاپٹر کا پر ان کی کار کے اوپر چکر لگا رہا تھا۔

"وہ نہیں جانتے، میرے ساتھ کس قدر خطرناک لوگ ہیں۔ ان

کی دخل اندازی ان لوگوں کو فرار ہونے میں مدد دے دے گی اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے، آؤ بھئی۔" رے راٹما نے کہا اور بلا کی رفتار سے کار سے اتر پڑا ۔۔ ڈرائیور اس کی تیزی پر ذرا بھی حیران نہ ہوا ۔۔ شاید ملک کے لوگوں کو رے راٹما کی تیز رفتاری کے بارے میں اچھی طرح معلوم تھا۔

ابھی رے راٹما نے سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ آواز آئی:

"خبردار، جہاں ہیں، وہیں رک جائیں، ورنہ چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

رے راٹما نے پرسکون انداز میں مڑ کر دیکھا۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید اس کے پاس سے گزرتے اوپر چڑھ گئے اور پولیس کی دھمکی کے باوجود ہیلی کاپٹر میں داخل ہو گئے؛ تاہم رے راٹما سیڑھیوں پر کھڑا رہ گیا۔

"کیا معاملہ ہے آفیسر؟"

"آپ اور یہ لوگ تلاشی دیے بغیر ہیلی کاپٹر میں نہیں اڑ سکتے۔"

"رے راٹما اور تلاشی دے گا ۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو آفیسر؟" رے راٹما کے لہجے میں بلا کی جرأت در آئی۔ ساتھ ہی سب سے آگے والا آفیسر منہ کے بل زمین پر گرا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بھی نکل گئی۔ اس وقت آٹھ کی آٹھ گاڑیوں سے پولیس آفیسر

اتر کر ہیلی کاپٹر کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ انہوں نے جو اپنے آفیسر کو اس طرح گرتے دیکھا تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، کیونکہ انہوں نے رے راٹما کو گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا۔

"یہ سزا ہے رے راٹما کو روکنے کی۔"

"سر ہمیں افسوس ہے۔ ہماری اجازت کے بغیر آپ پرواز نہیں کر سکیں گے۔ ذرا اپنے اوپر بھی دیکھ لیجیے، دو ٹڑاکا طیارے ایئرپورٹ کے اوپر چکر لگا رہے ہیں۔ جوں ہی ہیلی کاپٹر اوپر اٹھا، وہ اسے شوٹ کر دیں گے۔ لہٰذا کیا یہ بہتر نہیں رہے گا کہ ہم بیٹھ کر بات کریں اور آپس کی غلط فہمی کو دُور کریں۔"

"غلط فہمی، کیسی غلط فہمی؟" رے راٹما نے حیران ہو کر کہا۔ ساتھ ہی اس نے اوپر دیکھا؛ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ٹڑاکا طیاروں کی آواز ایک لمحہ پہلے ہی وہ سن چکا تھا۔

"جی ہاں، غلط فہمی۔ کیپٹن برنٹ صرف ایک لمحے کے لیے ہوش میں آئے تھے۔ ڈاکٹروں کی پوری کوشش سے ایسا ہوا تھا۔ وہ صرف اتنا کہہ سکے کہ مسٹر رے راٹما کو روک لیا جائے، جب تک وہ ہوش میں نہ آ جائے۔ لہٰذا ان کے حکم کی تعمیل میں آپ کو روکا جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے، یہ بات خود آپ کے مفاد میں ہو اور کیپٹن برنٹ نے آپ کے لیے کوئی خطرہ بھانپا ہو۔"

"اوہ، بس اتنی سی بات۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔ میں اپنی حفاظت

بخوبی کر سکتا ہوں۔ اپنے ان ٹڑاکا طیاروں سے کہو راستہ چھوڑ دیں۔"

"سوری سر۔ یہ ناممکن ہے۔ جب تک کیپٹن برنٹ ہوش میں نہیں آ جاتے، آپ اس وقت تک نہیں جا سکتے۔" آفیسر نے کہا۔ اس کے دو ساتھی اپنے چیف کو دیکھنے کے لیے جھک گئے تھے۔ اسی وقت ان میں سے ایک نے کہا:

"سر، یہ ختم ہو چکے ہیں۔ گولی ان کے دماغ میں لگی ہے۔"

"اور مسٹر رے راٹما، ہم نے آپ کو گولی چلاتے نہیں دیکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے، اندر موجود لوگوں میں سے کسی نے گولی چلائی ہے۔ ان حالات میں بھلا آپ کیسے انہیں لے جا سکتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے، ہم بیٹھ کر بات کیے لیتے ہیں۔ ہسپتال فون کر کے معلوم کرو، برنٹ کو ہوش آ گیا ہے یا نہیں۔ لیکن یاد رکھو، تم لوگوں نے مشکلات کو آواز دے لی ہے۔ اب تم لوگ ملازمت میں نہیں رہ سکو گے۔"

"ہم یہ سب باتیں جانتے ہیں سر، لیکن کیپٹن کے حکم سے مجبور ہیں۔"

"کیا ہم ایئرپورٹ کے کسی کمرے میں بیٹھ کر بات کریں گے؟" رے راٹما بولا۔

"جی ہاں، بالکل۔" آفیسر نے کہا۔

اس کے ساتھی اپنے چیف کی لاش ایک کار میں ڈال چکے

تھے۔ ان کے چہروں پر رنج اور غم کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا لیکن وہ اس غصے کو چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ چھپانے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔

"آؤ بھئی، نیچے اتر آؤ— مجھے افسوس ہے، یہ حالات پیش آئے۔" رے راٹا نے تھکی تھکی آواز میں کہا—

جوں ہی وہ ہیلی کاپٹر سے نیچے اترے، پولیس آفیسرز نے اپنے ریوالور نکال لیے اور ان کی نالوں کا رخ ان کے سینوں کی طرف کر دیا— صرف انہی کے سینوں کی طرف نہیں، رے راٹا کی طرف بھی— یہ دیکھ کر رے راٹا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"تو مجھے دھوکا دیا گیا ہے— رے راٹا کو۔"

"معاف کیجیے گا سر، کیپٹن برنٹ کو اگر ایک لمحے کے لیے ہوش نہ آ جاتا اور وہ ہمیں آپ کو روکنے کا حکم نہ دیتے تو ہم اس قسم کے اقدام کی جرأت بھی نہ کرتے۔ لیکن اب ہم مجبور ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں— کیپٹن برنٹ اس ملک کے عظیم ترین سراغ رسان ہیں۔ ان کا حکم کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔ یہاں تک کہ وہ بعض حالات میں صدر صاحب کو بھی چیک کر سکتے ہیں— چاہے بعد میں انہیں معافی ہی کیوں نہ مانگنی پڑے— آپ بھی اس ملک کے ایک عظیم ترین جاسوس ہیں۔ آپ کا کام صرف دشمن ممالک میں جاسوسی رہا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کو بھی پورا ملک عزت کی نگاہ

سے دیکھتا ہے— مرتبے میں آپ کیپٹن برنٹ سے بہت بلند ہیں۔ اگر آپ اپنے عملے کو کیپٹن برنٹ کو کسی مہم پر جانے سے روکنے کا حکم دیتے— تو کیا آپ کا عملہ حکم کی تعمیل نہیں کرے گا اور اگر عملہ حکم کی تعمیل نہیں کرے گا، تو آپ اس کے ساتھ کیا نہیں کریں گے، لہذا ہم اس وقت مجبور ہیں۔ میں ہسپتال فون کرتا ہوں۔ آئیے پہلے آپ کو کمرے میں لے چلوں۔"

جس کمرے میں وہ داخل ہوئے تھے— اس میں فون بھی تھا— آفیسر تو ہسپتال فون کرنے لگا— اس کے باقی ساتھی انہیں نگرانی میں لیے رہے—

"مسٹر رے راٹا! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ کی اس ملک میں بس اتنی سی عزت ہے۔" انسپکٹر جمشید طنز بھرے لہجے میں بولے۔

"اور اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ہرگز ان کے ساتھ نہ آتا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرے غصے کو ہوا نہ دو— اس وقت میرا خون پہلے ہی کھول رہا ہے۔" رے راٹا بولا۔

اسی وقت فون پر سلسلہ مل گیا اور آفیسر بات کرنے لگا، پھر اس نے مایوسانہ انداز میں ریسیور رکھتے ہوئے کہا:

"صرف ایک بار اور ان کے جسم میں ذرا سی حرکت ہوئی تھی۔"

اس کے علاوہ کچھ نہیں — ڈاکٹروں کا ایک پورا گروہ انہیں ہوش میں لانے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ وہ ان کی بے ہوشی پر حیران بھی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کیپٹن کو زہر دیا گیا ہے۔"

"زہر" رے راٹا زور سے چونکا، پھر جلدی سے بولا: "اس کا مطلب ہے، وہ جس وقت میرے پاس آیا تھا، زہر پیے ہوئے تھا، کیونکہ میرے ہاں تو اس نے کچھ کھایا پیا ہی نہیں۔ اس بات کی تصدیق گھر کے ملازمین سے بھی کی جا سکتی ہے۔ اوہ، اوہ، کہیں یہ سارا چکر انسپکٹر جمشید کے ملک کا کوئی جاسوس تو نہیں چلا رہا — وہ ان کی مدد کے لیے آس پاس تو نہیں منڈلا رہا۔ مجھے یہ خیال پہلے بھی آیا تھا — اوہ، مجھے صدر صاحب سے بات کرنی چاہیے — مسٹر آفیسر، کیا آپ مجھے صدر سے بات کرنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں — میں سمجھتا ہوں — اس میں کوئی حرج نہیں۔"

"تو پھر ان کے نمبر خود ہی ملا دو، تاکہ یہ نہ خیال کرو کہ میں کہیں اور فون کر رہا ہوں۔" رے راٹا بولا۔

"میں ضرور ایسا کروں گا۔" آفیسر نے کہا اور نمبر ملانے لگا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد کہیں جا کر نمبر مل سکا۔

"ہیلو سر، میں کیپٹن برنٹ کا ایک ماتحت عرض کر رہا ہوں۔

وہ اس وقت ہسپتال میں بے ہوش پڑے ہیں۔ ان کی بے ہوشی حد درجے پر اسرار ہے۔ مسٹر رے راٹا سے ملاقات کرنے گئے تھے۔ ان سے ملاقات کے دوران بے ہوش ہو گئے۔ نہ جانے کیوں اور کیسے، انہیں فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا۔ جہاں انہیں ایک لمحے کے لیے ہوش آیا اور اسی ایک لمحے میں انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ مسٹر رے راٹا کو روک لیں، وہ کہیں نہ جانے پائیں — ہم فوراً حرکت میں آ گئے۔ مسٹر رے راٹا اس وقت ہمارے ساتھ ہیں — وہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا — دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے فون کا ریسیور رے راٹا کے حوالے کر دیا۔ اس نے نرم لیکن جھنجلائی ہوئی آواز میں کہا:

"سر، آپ کے علم میں یہ بات آ چکی ہو گی کہ میں کن حالات میں دشمن ملک کی قید سے فرار ہوا ہوں — میں آتے وقت زعفت راشدی کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا، بلکہ انسپکٹر جمشید کے ایک بیٹے کو بھی یہاں اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گیا — میرا پروگرام یہ تھا کہ اس طرح انسپکٹر جمشید اپنے دو بچوں کو لے کر تیسرے بیٹے کو میری قید سے چھڑانے ضرور آئے گا؛ چنانچہ میں نے ہیلی کاپٹر سے ہی ہدایات دے دیں اور اس طرح انسپکٹر جمشید اور اس کے دو بچوں کو میک اپ کے باوجود گرفتار کر لیا گیا — میری ہدایات کے مطابق انہیں میرے پاس پہنچا دیا گیا۔ میں ان سے ان

کے ملک کے کچھ اہم راز معلوم کرنے کی فکر میں ہوں۔ اس دوران کیپٹن
برنٹ مجھ سے ملنے آئے، لیکن آتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ نہ جانے
کیسے، اب ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انہیں ایک لمحے کے لیے ہوش
آیا تھا اور انہوں نے مجھے روک لینے کا حکم دیا۔ شاید اس ایک
لمحے میں وہ یہی سوچ سکے ہوں کہ ان کی بے ہوشی میں میرا ہاتھ
ہے؛ حالانکہ انہیں بے ہوش کرنے کی بھلا مجھے کیا ضرورت ہو سکتی
تھی۔ اب حالات یہ ہیں کہ میں ان لوگوں کے پستولوں کی زد میں
ہوں۔ یعنی آپ کا وفادار اس ملک کے لیے جو ہمیشہ اپنی زندگی
خطرات میں ڈالتا رہا ہے۔ دشمن ممالک کی جیلوں کے منہ دیکھتا رہا
ہے، وہ آج اپنوں کی قید میں ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا
ہوں کہ ان لوگوں کو میرے پاس سے ہٹ جانے کا حکم دیں، ورنہ
میں پاگل ہو جاؤں گا اور شاید پھر کبھی اس ملک کے کسی کام
نہیں آ سکوں گا۔" رے راٹما یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس
نے سنا، صدر کہہ رہے تھے:

"مجھے پل پل کی خبر ملتی رہی ہے۔ میں تمام حالات سے
باخبر ہوں۔ رے راٹما، اس چکر میں اس وقت تک تین آدمی ہلاک
بھی تو ہو چکے ہیں۔ مونٹاٹ، کیپٹن برنٹ کا ایک ماتحت افسر
جو سفید کار میں تھا اور ایک اور افسر جو ہیلی کاپٹر کے سامنے ہلاک
ہوا۔ رے راٹما، یہ کیا ہو رہا ہے، تم خود ہی بتاؤ، لہذا میں مجبور ہوں

جب تک برنٹ ہوش میں نہیں آ جاتا، اس وقت تک میں کوئی حکم نہیں
دے سکتا۔ ہاں، اس کی بات سننے کے بعد اور نتیجہ نکالنے کے
بعد اگر تم بے قصور ثابت ہوئے تو نہ صرف کیپٹن برنٹ، بلکہ میں
بھی تم سے معافی مانگ لیں گے:"

"بہت بہتر سر، اس صورت میں میں آپ کو معافی مانگنے کی
زحمت نہیں دوں گا۔ خود کو تمام اعزازات سے محروم کر لوں گا اور اس
ملک میں ایک عام شہری کی زندگی بسر کروں گا، کیونکہ لوگ تو رے راٹما
کا جینا دوبھر کر دیں گے۔ کیسے کیسے طعنے سننے میں نہیں آئیں گے۔
آج کیپٹن برنٹ کی حیثیت رے راٹما سے اس قدر بڑھ گئی ہے۔
تھینک یو سر۔ تھینک یو۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی رے راٹما کی
آواز جذبات سے بھاری ہو گئی۔ اس نے ریسیور رکھنا چاہا ہی تھا کہ
صدر کی آواز سنائی دی:

"مجھے بہت افسوس ہے رے راٹما، تمہیں ذہنی تکلیف اٹھانا پڑ
رہی ہے۔ خیر تم ریسیور برنٹ کے ماتحت کو دو، میں اسے چند ہدایات
دینا چاہتا ہوں۔"

رے راٹما نے برا سا منہ بناتے ہوئے ریسیور اسی آفیسر کو دے
دیا۔

"لو بھئی، صدر سے بات کرو۔" اس نے کہا۔ آفیسر صدر کی بات
سننے لگا۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر ریسیور رکھتے

ہوئے اس نے کہا۔

"صدر صاحب نے ہدایت دی ہے کہ ہم آپ کو پستولوں کی زد پر رکھیں؛ تاہم آپ کو جانے بھی نہ دیا جائے۔ جب تک کہ مسٹر برنٹ ہوش میں آ کر آپ کو روکنے کی وجہ نہیں بتا دیتے۔"

"مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ پستول مجھ پر تنے ہوئے ہیں یا نہیں۔" رے راٹا نے منہ بنایا۔

"بہر حال، میں تو حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوں۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارا کیا۔ ان سب نے ریوالور ہولسٹروں میں اڑس لیے؛ تاہم چوکس کھڑے رہے۔ رے راٹا فون کے پاس سے ہٹ کر انسپکٹر جمشید کی طرف چل پڑا۔

"مجھے بہت افسوس ہے انسپکٹر جمشید، تم بھی سوچ رہے ہو گے کہ یہ ہے وہ رے راٹا، جس کی اتنی دھوم ہے، جو کار کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے، بجلی کی طرح کوندتا ہے، لیکن ملک میں اس کی بس اتنی سی عزت ہے۔" اس کی آواز میں غم تھا، رنج تھا اور افسوس بھی۔

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت ایک آفیسر کے منہ سے ہلکی سی سسکی نکلی تھی۔ جس نے ابھی ابھی فون پر صدر سے بات کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں پھیل گئیں اور پھر وہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"ارے، اسے کیا ہوا؟" رے راٹا چونک کر بولا۔ آفیسر کے

ساتھی بھی گھبرا گئے۔ وہ سب کے سب بوکھلاہٹ کے عالم میں اس کی طرف پلٹے۔ رے راٹا کو جانے کیا سوجھی، اچانک ان پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ بجلی ایسی تیزی سے چلنے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے کبھی کسی کو اتنی تیزی سے ہاتھ پیر چلاتے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تین چار آدمی اوپر تلے گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

ایسے میں رے راٹا نے دبی آواز میں کہا:

"انسپکٹر جمشید، کیا تم اس لڑائی میں میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"اوہ ہاں، کیوں نہیں۔ آؤ بھئی۔" انسپکٹر جمشید چونکے اور پھر وہ بھی ان تینوں کے ساتھ کیپٹن برنٹ کے ماتحتوں پر ٹوٹ پڑے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں اور شاید کمرہ ساؤنڈ پروف بھی تھا۔ اس لیے اس دھینگا مشتی کی آوازیں باہر تک نہیں جا سکی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیپٹن برنٹ کے ماتحت کھیت رہے۔ وہ سب مکمل طور پر بے ہوش ہو چکے تھے۔

"حیرت ہے، یہ تو بالکل اسی طرح بے ہوش ہو گئے ہیں، جس طرح برنٹ ہوا تھا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، آؤ اب چلیں۔" رے راٹا نے کہا اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اس کے پیچھے چلے۔ دروازہ کھول کر اس نے دائیں بائیں دیکھا، کوئی بھی نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر سامنے کھڑا تھا؛ البتہ اب اس کا انجن نہیں چل رہا تھا۔ وہ تیر کی طرح ہیلی کاپٹر کی

طرف بڑھے اور پھر اس میں داخل ہو گئے۔ رے راٹما نے پائلٹ سیٹ سنبھال لی۔ وہ پیچھے بیٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے ہیلی کاپٹر کا انجن جاگ اٹھا۔ اس کا پر گھومنے لگا، آخر وہ اوپر اٹھنے لگا۔ عین اسی وقت انہوں نے چند کاریں اس کمرے کے سامنے رکتے دیکھیں، جس میں وہ تھوڑی دیر پہلے موجود تھے۔

ہیلی کاپٹر برابر اوپر اٹھ رہا تھا۔ کاروں سے انہوں نے کچھ لوگوں کو نکل کر کمرے میں داخل ہوتے دیکھا، پھر وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں باہر نکلتے نظر آئے اور پھر ان کی آنکھیں ہیلی کاپٹر پر جم گئیں۔ آخر ان میں سے ایک واپس کمرے کی طرف جھپٹا۔

"اب یہ فون کرے گا۔ اور ٹراکا طیارے ہمیں گھیرنے کی کوشش کریں گے۔" رے راٹما نے کہا۔

اس کا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ فوراً ہی انہوں نے ٹراکا طیاروں کی گھن گرج کی آواز سنی اور ہیلی کاپٹر ایک سمت میں تیزی سے اڑنے لگا۔ اب اس نے اوپر اُٹھنا بند کر دیا تھا۔ بلکہ رے راٹما اسے نیچے کرنے لگا۔ اچانک تین ٹراکا طیارے ہیلی کاپٹر کے اوپر سے پرواز کرتے گزر گئے، پھر وہ واپس مڑے اور ان کی طرف آنے لگے۔ اس بار ان میں سے ایک طیارے نے ان پر گولیاں بھی برسائیں۔ رے راٹما نے ہیلی کاپٹر کو بڑی عمارت سے لہرایا اور وہ بال بال بچے۔

"ہم اس طرح ان کی فائرنگ سے کب تک بچ سکیں گے؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔" رے راٹما بولا اور ہیلی کاپٹر کو اور نیچے لے گیا۔ اب وہ درختوں سے کچھ ہی اوپر تھے اور ذرا سی غلطی سے کسی اونچی عمارت سے ٹکرا سکتے تھے۔ ٹراکا طیارے ایک بار پھر ان کا رخ کر رہے تھے۔

"وہ صرف ہمیں ڈرا رہے ہیں۔ چاہتے ہیں، میں ہیلی کاپٹر کو نیچے اتار دوں۔" رے راٹما ہنسا۔

"لیکن جب وہ یہ دیکھیں گے کہ اپنے مقصد میں ناکام ہو رہے ہیں تو ڈرانا بند کر کے سچ مچ کا فائر کھول دیں گے۔" فاروق جل کر بولا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں، لیکن اس وقت صورتِ حال بدل چکی ہو گی۔" رے راٹما بولا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

طیارے واپس مڑنے کے بعد پھر ان کے سر پر سے گزر گئے۔ اس بار بھی باڑ ماری گئی تھی، لیکن کوئی گولی بھی ہیلی کاپٹر کے نہ لگ سکی۔

"دیکھا، میرا خیال ٹھیک ہے۔ وہ صرف ہمیں ڈرا کر نیچے اترنے

پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔"

ہیلی کاپٹر اب پوری رفتار سے اور بہت نیچے اڑا جا رہا تھا۔ نیچے ہزاروں لوگ اس عجیب جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں کچھ نہیں معلوم تھا، یہ کیا ہو رہا ہے۔ حیرت سے ان کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ گولیوں کی تڑاتڑ ان کی حیرت میں خوف کو بھی شامل کر رہی تھی۔

"ہاں، یہ بات ٹھیک ہے، وہ فی الحال ہمیں ڈرا رہے ہیں، لیکن جوں ہی انہوں نے محسوس کیا کہ ہم نکلے جا رہے ہیں، وہ ہیلی کاپٹر کو زد پر لے کر فائرنگ شروع کر دیں گے۔ اس وقت ہمارا کیا بنے گا؟" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کباب، تازہ بتازہ۔" فاروق چہکا۔

"دیکھا جائے گا۔" رے راٹا بولا۔

لیکن پھر اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ چند گولیاں ہیلی کاپٹر کے پر سے ٹکرائی تھیں۔ پھر آن کی آن میں چکر کھاتا الگ ہو گیا اور دور کھیتوں میں جا گرا اور ہیلی کاپٹر نیچے کی طرف چلا۔

"مارے گئے۔" رے راٹا بڑبڑایا۔ پھر اس نے بلند آواز میں کہا:

"اس کے نیچے گرنے سے پہلے چھلانگیں لگا دو۔ بچنے کی اب

یہی صورت ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی رے راٹا نے سیٹ چھوڑ دی۔ انہوں نے بھی یہی کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایک ساتھ چھلانگیں لگا چکے تھے۔ ہیلی کاپٹر آگے نکل گیا اور ان سے تقریباً دو سو گز دور جا گرا۔ ساتھ ہی ایک خوف ناک دھماکا ہوا۔ اور ہیلی کاپٹر نے آگ پکڑ لی۔ اب وہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ وہ کھیتوں میں گرے تھے، اس لیے ان میں سے کسی کو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی تھی؛ تاہم ٹراکا طیارے ابھی تک ان کے سروں پر چکر لگا رہے تھے اور گولیاں برسا رہے تھے۔

"اب ہمیں سینے کے بل رینگ کر اسی سمت میں بڑھنا ہے۔" رے راٹا نے ہاتھ اٹھا کر اس سمت میں اشارا کیا، جس طرف ہیلی کاپٹر جا کر گرا تھا۔ پھر اس نے کہا:

"یہ بھی خیال رہے کہ ہیلی کاپٹر کے گرتے ہی کیپٹن برنٹ کے آدمی اس طرف دوڑ پڑے ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں تک پہنچیں، ہمیں یہاں سے بہت دور پہنچ جانا چاہیے۔"

وہ تیزی سے رینگنے لگے، لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ کھیت ہموار تو ہوتے نہیں اور ان میں اگی ہوئی چیزیں بھی آرام دہ نہیں ہوتیں، لہٰذا انہیں اپنے سینے چھلتے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے سامنے کی طرف دیکھا اور ٹھٹک کر رہ گئے۔ سامنے سرحد تھی اور سرحد پر فوجی

ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ہوئے ان کی نظریں بار بار لڑاکا طیاروں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ پوری طرح چوکس تھے۔ جلنے والے ہیلی کاپٹر نے انہیں یہ بات سمجھا دی تھی کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔

"اب ہمیں بہت لمبا چکر کاٹنا ہوگا۔ شاید اس جگہ سرحد پر فوجی نہ ہوں، یا نہ ہونے کے برابر ہوں" رے ڈاٹا نے کہا۔

وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک کھیتوں کے کنارے رینگتے ہوئے جب انہوں نے سر اوپر کر کے سرحد کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہاں ایک فوجی بھی نظر نہیں آرہا تھا؛ البتہ دوسری طرف کی سرحد پر ضرور کچھ فوجی موجود تھے۔

"آؤ بھئی، یہی موقع ہے" رے ڈاٹا نے کہا۔

وہ اٹھ کر کھیتوں سے باہر نکلے اور سرحد کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ تقریباً پچاس مسلح آدمی ان کی طرف پستول، بندوقیں اور مشین گنیں اٹھائے کھڑے تھے۔ ان میں سب سے آگے کھڑے شخص نے مسکرا کر کہا:

"کیپٹن برنٹ کو ہوش آچکا ہے رے ڈاٹا۔"

چاقو سے فائرنگ

چند لمحات سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر رے ڈاٹا کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی:

"اچھا تو پھر....."

"وہ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر آرام فرما ہیں، کیونکہ ابھی کمزوری بہت محسوس کر رہے ہیں، وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے"

"اوہ، ضرور ضرور، کیوں نہیں" رے ڈاٹا نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ انہیں گھیرے میں لے لیا گیا۔ یہ گھیرا پیدل ہی ایک سمت میں چلنے لگا۔ آخر درختوں کے ایک جھنڈ میں کچھ لوگ بیٹھے دکھائی دیے۔ کرسیاں نیم دائرے کی صورت میں بچھائی گئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا، نیم دائرے کے درمیان والی کرسی پر کیپٹن برنٹ بیٹھا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر کمزور سی

ہنسی ہنسا۔

"آخر میں نے تم لوگوں کو پکڑ ہی لیا، اگرچہ میں کسی قابل بھی نہیں رہا تھا۔" یہ کہتے وقت اس کی نظریں رے ڈاما کی طرف بھی رہیں۔ ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پھر بولا:

"ارے، مسٹر رے ڈاما، آپ بھی خاموش ہیں، کچھ تو بولیے ___ اور ہاں، آپ سگار پیتے نظر نہیں آئے، کیا سگار پینا چھوڑ دیا ہے ___ رہائش گاہ پر بھی آپ سگار پیتے نظر نہیں آئے تھے ___ یہی بات دیکھ کر میں چونکا تھا، کیونکہ آپ تو مسلسل سگار پینے والے آدمی ہیں ___ دشمن ملک کی جیل میں بے شک آپ کو سگار نہیں مل سکے ہوں گے، لیکن اپنے گھر آنے کے بعد تو آپ کو سب سے پہلے سگاروں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا، لیکن میں نے دیکھا آپ سگار نہیں پی رہے تھے ___ کمرے میں سگار کا ڈبا بھی نہیں تھا۔ میں چونک اٹھا۔ میں نے بغور آپ کی طرف دیکھا ___ آپ کچھ بدلے بدلے سے نظر آئے۔ یہ فرق صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو آپ کو بہت نزدیک سے دیکھ چکے ہوں اور میں آپ کو اکثر نزدیک سے دیکھ چکا ہوں، لہذا میرا ماتھا ٹھنکا۔ میرے دل و دماغ نے پکار پکار کر مجھ سے کہا، یہ شخص، جو میرے سامنے موجود ہے، کم از کم رے ڈاما نہیں ہے۔"

"کیا؟" کیپٹن برنٹ کے تمام ماتحت جو ادرگرد چوکس کھڑے

تھے، چلا اٹھے۔ ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"ہاں، آن کی آن میں مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ شخص رے ڈاما نہیں ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ پھر یہ کون ہے۔ حالات پر تیزی سے نظر کی اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کو دیکھا تو یکایک مجھے معلوم ہو گیا کہ رے ڈاما کے بھیس میں دراصل انسپکٹر جمشید موجود ہے۔ اس خیال نے مجھ پر بوکھلاہٹ طاری کر دی اور میری اس بوکھلاہٹ سے انسپکٹر جمشید نے بھرپور فائدہ اٹھایا ___ یہ میری طرف بڑھا اور مجھے دونوں شانوں سے پکڑ لیا ___ انداز ایسا تھا جیسے مجھے جھنجوڑ کر ہوش میں لانا چاہتا ہو، لیکن دراصل یہ ایک پن میرے جسم میں داخل کر دینا چاہتا تھا اور وہ پن اس کی انگلی کے چھلے میں لگی ہوئی ہے۔ رے ڈاما نے کب کوئی چھلا پہنا تھا، لیکن پہلے میری نظر چھلے پر نہیں پڑ سکی تھی۔ اس نے ہاتھ کو رکھا ہوا ہی اس پہلو سے تھا کہ چھلا کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا اور اس میں لگی زہریلی پن نے مجھے بے ہوش کر دیا ___ انسپکٹر جمشید کا خیال تھا کہ اب میں بہت دیر تک ہوش میں نہیں آؤں گا اور یہ اپنا کام کر جائے گا، لیکن اسے ابھی ہمارے ملک کے ڈاکٹروں کے بارے میں شاید کچھ بھی نہیں معلوم ___ یا بہت کم معلوم ہے۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر اس زہر کا سراغ لگا لیا اور اس کا توڑ میرے جسم میں داخل کر دیا ___ یہی وجہ تھی کہ فوری طور پر مجھے چند لمحوں کے لیے ہوش آیا اور میں نے اپنے آدمیوں

کو حکم دیا کہ رے راٹا کو گھیر لیا جائے۔ اس وقت میں تفصیل بتانے کی سکت اپنے میں نہیں پا رہا تھا، لہذا صرف یہی کہہ سکا اور پھر بے ہوش ہو گیا — دوسری بار ڈاکٹروں کو ذرا دیر لگ گئی، ورنہ تم لوگ یہاں تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

گہرا سناٹا طاری ہو گیا — ہر شخص کی نظریں رے راٹا یا انسپکٹر جمشید پر جمی تھیں — آخر کیپٹن برنٹ کے ایک ماتحت نے کہا۔

"لیکن سر، اگر یہ انسپکٹر جمشید ہے تو پھر جو شخص انسپکٹر جمشید نظر آ رہا ہے، وہ کون ہے؟"

"وہ اس کا کوئی ماتحت ہو گا۔"

"ان لوگوں کا خیال درست ہی ہے انکل اکرام۔" محمود تھکے تھکے انداز میں مسکرایا۔ اکرام جو انسپکٹر جمشید کے میک اپ میں تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا —

"کیپٹن برنٹ، تم واقعی ذہین آدمی ہو، میں تسلیم کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید پہلی بار رے راٹا کے میک اپ میں اپنی اصلی آواز میں بولے۔

"لیجیے، ابا جان کی آواز لوٹ آئی! گویا اسے آواز کی واپسی بھی کہا جا سکتا ہے۔" فاروق نے کہا اور وہ مسکرانے لگے۔

"میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ مسٹر رے راٹا کا کیا بنا؟" کیپٹن برنٹ بولا۔

"رے راٹا نے دھوکا دینے کا پروگرام بنایا تھا — طے تو یہ ہوا تھا کہ وہ راشدی صاحب کو ہمارے حوالے کر دے گا اور ان کے بدلے میں میرے ایک بیٹے کو اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر پر لے جائے گا، تاکہ اسے آزاد کرانے کے لیے میں حرکت میں آؤں اور یہاں آ کر پھنس جاؤں۔ اس طرح وہ اپنا بدلہ مجھ سے لے سکے، لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ جونہی وہ ہیلی کاپٹر میں داخل ہو، راشدی صاحب کو شوٹ کر دیا جائے۔ میں پہلے ہی اس کی چال کو بھانپ چکا تھا: چنانچہ ان پہاڑیوں میں جال بچھایا جا چکا تھا — فاروق کو پہاڑیوں تک لے کر سب انسپکٹر اکرام ہی میرے میک اپ میں آیا تھا۔ میں تو پہلے سے رے راٹا کے میک اپ میں اس ہیلی کاپٹر میں موجود تھا — میرے لیے اس میں ایک خفیہ جگہ بنائی گئی تھی — فاروق کو پہاڑیوں تک چھوڑ کر یہ لوگ واپس چلے گئے، لیکن پھر چکر کاٹ کر اسی سمت میں بڑھتے رہے، جس سمت میں فاروق آ گیا تھا۔ اس طرح انھوں نے رے راٹا، راشدی صاحب اور اس کے دونوں ساتھیوں کو دیکھ لیا۔ جب رے راٹا فاروق کو لے کر ہیلی کاپٹر کی طرف چلا گیا تو اکرام نے ریوالور نکال کر اس کے دونوں ساتھیوں کو اپنے نشانے پر لے لیا، تاکہ اگر ہمارا خیال درست ہو تو وہ دونوں راشدی صاحب کو شوٹ نہ کرنے پائیں، پھر جوں ہی رے راٹا فاروق کو لے کر ہیلی کاپٹر میں داخل ہوا، وہ پستول چلانے کے لیے

تیار ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے راشدی صاحب سے یہ جملہ بھی
کہا:

"لو راشدی، تم تو روانہ ہو جاؤ ایک لمبے سفر پر۔"

لیکن اس کے پستول چلانے سے پہلے اکرام نے دو فائر کر دیے۔
اور اس طرح راشدی صاحب کے بجائے رے راٹا کے آدمی مارے گئے۔
ادھر رے راٹا نے ہیلی کاپٹر کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس
نہیں کی۔ اگر وہ ایسا کر لیتا تو یہ کھیل وہیں ختم ہو جاتا اور میں یہاں
نہ آتا۔ لیکن چونکہ اس نے کچھ نہ دیکھا اور ہیلی کاپٹر کو لے اڑا تو
میرے باقی ماندہ پروگرام پر حرف بہ حرف عمل کیا گیا۔ جب رے راٹا
اپنے ملک کو اپنی آمد سے خبردار کر چکا اور ادھر سے ہدایات مل
چکیں تو میں حرکت میں آیا۔ اس کے سر پر ہاتھ کی ہڈی کی ایک
ضرب ہی کافی ثابت ہوئی اور پھر میں نے اسے اٹھا کر نیچے پھینک
دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس طرح میں رے راٹا بن
کر اس ملک میں داخل ہوا۔ ادھر میں نے اپنے ماتحت کو ہدایات دی
تھیں کہ وہ میرے دونوں بچوں کو لے کر ہلکے پھلکے دوسرے میک اپ
میں اس ملک میں داخل ہو جائے، تاکہ فوراً گرفتار ہو کر میرے
پاس پہنچا دیے جائیں۔ ہوا بھی یہی۔ میں نے رہائش گاہ پر تمام
کاغذات منگوا لیے اور دراصل میں یہ کاغذات ہی اڑانے کے چکر میں
یہاں تک آیا تھا۔ ورنہ رے راٹا کو تو اسی وقت ختم کیا جا سکتا تھا۔

جب وہ ہیلی کاپٹر میں داخل ہوا تھا اور ادھر اس کے آدمیوں کو ختم
کر دیا گیا تھا، لیکن میں تو یہ چاہتا تھا کہ رے راٹا کی وجہ سے جو
موقع ملا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگرچہ اس میں خطرہ تھا،
لیکن ملک اور قوم کے لیے خطرات مول لیے بغیر تو چارہ ہی نہیں۔"
یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"لیکن تمہارا پروگرام میری وجہ سے گڑبڑ ہو گیا۔" کیپٹن برنٹ
نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

"میں حیران ہوں، تم جیسے عقل مند آدمی سے یہ غلطی کس طرح
ہو گئی کہ رے راٹا کی عادات جانے بغیر اس کے میک اپ میں چلے
آئے۔"

"میں اس کے سگار پینے کی عادت سے واقف تھا، لیکن یہ نہیں
جانتا تھا کہ وہ سگار کا اس حد تک عادی ہے۔ جہاں تک اس کی
عادات اور اطوار، لب و لہجے اور شکل و صورت کا تعلق ہے، وہ میں
اس وقت ملاحظہ کر چکا تھا جب اس کی مجھ سے ٹکر ہوئی تھی اور وہ
میری وجہ سے جیل گیا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں اس کی آواز سن کر میں
اس کے لہجے میں بولنے کے قابل ہوا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"ہوں، بہر حال انسپکٹر جمشید، تم یہ بازی ہار چکے ہو۔ ہم رے راٹا
جیسے اچھے آدمی سے تمہاری بدولت ہاتھ دھو چکے ہیں۔ صدر کو جب یہ

بات معلوم ہوگی تو وہ سخت غصے میں آجائیں گے اور تمہارے بارے
میں سخت ترین سزا کا حکم دیں گے، لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں؛
تاہم سزا پر عمل درآمد سے پہلے میں کوشش کروں گا کہ تم لوگوں
کو کم از کم اتنے عرصے کے لیے جیل میں ضرور رکھا جائے، جتنی دیر
تک مسٹر رے راٹا تمہارے ملک کی جیل میں رہے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک سرسری نظر چاروں طرف ڈالی اور پھر
پرسکون آواز میں بولے:

"اس میں کوئی شک نہیں — شروع سے اس وقت تک
کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہم اس وقت ناکامی سے ———
دوچار ہیں، لیکن تم لوگ ہمیں کوئی بڑی سزا نہیں دے سکو گے، ہاں
جیل میں شاید رکھ سکو۔"

"کیا مطلب، وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ یہ بات صرف میں اور یہ تینوں جانتے ہیں کہ
وہ کاغذات کہاں ہیں جو میں نے رے راٹا کے دفتر سے منگوائے تھے۔"

"اوہ، کہاں ہیں وہ کاغذات؟" کیپٹن برنٹ نے غرا کر کہا۔

"یہ بتانے کے بعد بھلا ہمیں زندہ چھوڑا جا سکتا ہے، نہیں ہرگز
نہیں۔" انھوں نے پرزور لہجے میں کہا۔

کیپٹن برنٹ کا چہرہ تن گیا — چند لمحے تک وہ سانپ ایسی تیز
آنکھوں سے انھیں گھورتا رہا، آخر بولا:

"وہ، کاغذات ..... کہاں ..... ہیں۔" اس نے ٹکڑے توڑے۔

"وہ، یعنی کہ کاغذات — جہاں کہیں بھی ہیں، بالکل خیریت
سے ہیں، بلکہ یہ کتنا زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ کاغذات وہاں ہیں، جہاں
سے ہم کو بھی کچھ ان کی خبر نہیں آئی۔" فاروق شوخ لہجے میں
مسکرایا۔

"خیر خیر، پروا نہیں — ہم ان کاغذات کا پتا چلالیں گے۔"
کیپٹن برنٹ نے لاپروائی سے کہا۔

"جب تک تم پتا چلاؤ گے، کاغذات سرحد پار پہنچ چکے ہوں
گے اور ایک بار کاغذات سرحد پار پہنچ جائیں، پھر ہمیں اس بات
کی پروا بھی نہیں ہوگی کہ ہمیں کیا سزا دی جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

"تو کاغذات آس پاس ہی کہیں موجود ہیں۔" کیپٹن برنٹ سرد
آواز میں بولا۔

"ہم اب ان کے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں
نکالیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے — انداز ایسا تھا جیسے پہلے ہی
کاغذات کے بارے میں بات کرکے انھوں نے غلطی کی ہو۔

"چاروں طرف پھیل جاؤ اور آس پاس کا چپا چپا دیکھ ڈالو۔
کاغذات انھوں نے یہیں کہیں چھپائے ہیں — جہاں تک میرا خیال
ہے، وہ اسی جگہ ہو سکتے ہیں، جہاں سے یہ کھیتوں سے باہر نکلے تھے۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا — وہ سب چاروں طرف پھیل گئے۔
البتہ چار آدمی کیپٹن برنٹ کے دائیں بائیں کھڑے رہ گئے — ان
کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور ان کا رخ ان چاروں کی طرف
تھا۔ ان پانچوں کے علاوہ اب وہاں کوئی نہیں تھا — ادھر یہ بھی
پانچ تھے — انسپکٹر جمشید کی چالاکی سے انہیں ایک بہترین موقع ہاتھ
آیا تھا۔ ایک بار اگر وہ ان سے نبٹ لیتے تو پھر سرحد عبور
کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ باقی لوگ تو پہلے ہی ادھر ادھر مارے مارے
پھر رہے تھے۔ ان سے بچ نکلنا کچھ مشکل نہ ہوتا، لیکن ان کے
پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ کاغذات کی تلاش میں نکلنے والے کسی
وقت بھی واپس آ سکتے تھے؛ چنانچہ انسپکٹر جمشید نے ان چاروں
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"چلو بھئی، اب اپنے کیپٹن کو گرفتار کر لو۔"

"کیا مطلب؟" وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔ کیپٹن برنٹ
یک دم ان کی طرف مڑا — ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے گویا ہوا میں
اڑتے ہوئے ان پر چھلانگ لگا دی اور وہ فائر کرنے کے لیے
بندوقیں ہی تولتے رہ گئے۔ وہ عین اس کے اوپر گرے۔ ساتھ
ہی محمود، فاروق اور اکرام حرکت میں آ گئے — دشمن کو بندوقیں
چلانے کی مہلت نہ مل سکی — انہوں نے ان کے نزدیک پہنچنے کے بعد
سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ رائفلوں پر ہاتھ ڈال دیے تھے

اور اب رائفلوں کے لیے رسّا کشی ہو رہی تھی۔ صرف فرزانہ اس
رسّا کشی میں شامل نہیں تھی — وہ کیپٹن برنٹ کے پیچھے پہنچ کر
جا رکی تھی — عین اس وقت کیپٹن کا ہاتھ جیب کی طرف رینگ
گیا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ باہر نکال سکتا، اس نے
اس کے سر پر دو ہنٹر بجا دیے اور پھر تڑاتڑ بجاتی ہی چلی گئی۔
وہ پہلے ہی بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ زیادہ دیر اس تڑاتڑ
کو برداشت نہ کر سکا اور اس کی گردن ڈھلک گئی — فرزانہ نے
اس کی جیب میں سے پستول نکال لیا اور پھر اس سے حماقت یہ
ہوئی کہ اس نے ان چاروں میں سے ایک پر اس وقت فائر
جھونک مارا جب کہ وہ محمود کا گلا بری طرح دبائے ڈال رہا
تھا —

"یہ کیا کیا فرزانہ، اب سب لوگ ادھر دوڑ پڑیں گے۔" انسپکٹر
جمشید چلائے۔

"اوہ، مجھے افسوس ہے ابا جان۔" فرزانہ بولی۔

"خیر، اب جلد از جلد انہیں ختم کر کے کھیتوں کی طرف
دوڑ چلو۔" انہوں نے کہا۔

فرزانہ نے اوپر تلے تین فائر اور کیے اور پھر انہوں نے یہ
دیکھے بغیر کہ وہ زندہ بچے تھے یا مر گئے تھے، کھیتوں کی طرف دوڑ
لگا دی۔ ساتھ ہی انہوں نے چاروں طرف سے دوڑتے قدموں کی

آواز سنی — انسپکٹر جمشید دوڑتے دوڑتے ایک دشمن کی رائفل اور
کارتوسوں کی پیٹی اتار لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ادھر کیپٹن
برنٹ والا پستول فرزانہ کے پاس تھا اور اس میں ابھی چند گولیاں
تھیں —

"خطرہ بہت بڑھ گیا ہے، کہیں سرحدی جھڑپ نہ شروع ہو جائے"
انسپکٹر جمشید بڑبڑائے — ساتھ ہی انہوں نے ایک کو کہتے سنا:

"وہ گئے کھیت میں"

اور وہ تیزی سے آگے بڑھتے گئے — اپنے پیچھے دوڑتے قدموں
کی آواز سن کر فرزانہ نے ایک فائر پیچھے کی طرف جھونک مارا تاکہ
دشمن کی پیش قدمی رک جائے۔ اسی وقت سرحد کی طرف سے کسی
نے بلند آواز میں کہا:

"اے، تم لوگوں کے ارادے تو نیک ہیں — کہیں جنگ چھیڑنے
کا ارادہ تو نہیں، یا پھر سرحدی جھڑپ کا پروگرام بنا چکے ہو۔ یار،
یہ کیا ڈھینگا مشتی کرتے پھر رہے ہو، اگر اسی قسم کا کوئی پروگرام
ہے تو بتا دو، تاکہ ہم بھی تیاری کر لیں — ارے، مم، مگر، یہ، یہ،
ہمارے دشمن فوجی تو نہیں ہیں — ان کے جسموں پر تو پولیس کی وردیاں
ہیں" اس کے لہجے میں حیرت در آئی —

"یہ ہمارے کسی فوجی کی آواز ہے — سرحد پر گڑبڑ کے آثار
دیکھ کر وہ بولا ہے" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہاں، ہمیں اس کی مدد حاصل کرنا ہو گی — ذرا مٹی کا ایک
ڈھیلا تو دینا" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے قلم اور کاغذ نکالا —
اس پر جلدی جلدی دو تین الفاظ لکھے — کاغذ کو ڈھیلے پر لپیٹا
اور پوری قوت سے اس سمت میں پھینک دیا جس طرف سے اپنے
فوجی کی آواز سنی تھی — کیپٹن برنٹ کے آدمیوں نے اس کی للکار
کا کوئی جواب نہیں دیا تھا —

"کچھ نہیں کہا جا سکتا — ڈھیلا اس نے اپنی طرف آتے یا
گرتے دیکھا یا نہیں" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے

"یہ کھیت سرحد سے تقریباً سو گز دور ہے۔ ہم کھیت سے
نکلتے ہی دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے، لیکن کھیت کے
دوسرے کنارے تک پہنچ کر اپنے فوجیوں کو باخبر کر دیتے ہیں" فرزانہ
نے سرگوشی کی —

اب دشمن کھیت میں اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا اور وہ پیٹ
کے بل رینگ رہے تھے۔ کبھی کبھار انسپکٹر جمشید اور فرزانہ ادھر ادھر ایک
ایک فائر جھونک دیتے — یہ دیکھ کر فاروق نے برا سا منہ کر کہا:

"بڑی غلطی ہوئی، ہم بھی ان کی رائفلیں ساتھ لے آتے تو ہاتھ
پر ہاتھ رکھ کر نہ رینگ رہے ہوتے — یار محمود، تم اپنا چاقو ہی نکال
لو ذرا"

"چاقو سے بھلا ہم کیا کر سکیں گے" محمود حیران ہو کر بولا۔

"کیا خبر کچھ کر ہی گزریں" اس نے کہا اور محمود نے سوچے سمجھے بغیر جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال کر اسے دے دیا۔

"لاحول ولا قوۃ، اب یہ چاقو سے فائرنگ کریں گے۔ فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا

"ہمارا مذاق اڑانے کی کوشش نہ کرو، ورنہ کہیں سچ مچ میں چاقو سے ہی فائرنگ نہ شروع کر دوں" فاروق نے جل کر کہا۔

اب وہ کھیت کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ اس کنارے کے سامنے ان کے ملک کی سرحد تھی اور اسی سمت سے ہی اس فوجی کی آواز سنائی دی تھی۔ کھیت کے کنارے آنا خطرے سے خالی نہیں تھا، لیکن وہ اور کرتے بھی کیا۔

"لاؤ بھئی، ایک اور ڈھیلا دو، ذرا بڑا سا۔ پتا نہیں پہلا ڈھیلا اس تک پہنچا یا نہیں" انہوں نے کہا اور پھر نوٹ بک سے ایک کاغذ پھاڑ کر اس پر وہی الفاظ لکھے۔ کاغذ ڈھیلے پر لپیٹا اور پوری قوت سے سرحد کی طرف پھینک دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے خطرہ مول لیتے ہوئے منہ باہر نکال کر اس سمت میں دیکھا۔ انہیں اپنے فوجی کھڑے صاف دکھائی دیے۔ ڈھیلا ان کے پیروں میں گرا تھا۔ انہوں نے چونک کر ڈھیلا اٹھایا اور پھر کاغذ پر لکھے الفاظ پڑھنے لگے۔

"وہ مارا، ہم کامیاب ہو گئے۔ اب یہ لوگ ہماری مدد ضرور کریں گے"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے فوراً طیاروں کی گھن گرج سنی۔ ان کے رنگ زرد پڑ گئے۔ کیپٹن برنٹ کے کسی ساتھی نے وائرلیس کر کے طیاروں کو بلا لیا تھا اور اب طیارے اس کھیت پر فائرنگ کرنے والے تھے؛ گویا وہ خوفناک حالات میں گھر چکے تھے۔

غدار کی تلاش

"ابا جان، کہیں دونوں ملکوں میں جنگ نہ چھڑ جائے۔ ہمارے فوجی بھی اس وقت تک آپ کا پیغام اپنے کسی آفیسر تک پہنچا چکے ہوں گے۔ ڈراکا طیاروں کی کارروائی دیکھ کر انہیں آپ کے پیغام میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا اور مزید دشمنوں کی چال نظر آئے گی، لہٰذا وہ ہمیں بچانے کے لیے اقدام کریں گے اور یہ اقدام کہیں جنگ کا پیش خیمہ نہ بن جائے۔" محمود نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"ہاں، اس کا بھی امکان ہے۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے ڈھیلے کے ذریعے پیغام ادھر نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ اس صورت میں صرف ہم مرتے، ملک اور قوم مشکل میں نہ پھنستے۔" وہ بولے۔

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ بچو، طیارے آ رہے ہیں۔" انہوں نے کہا اور وہ زمین پر ساکت لیٹ گئے۔ سر ہاتھوں کے درمیان لے لیے گئے۔ طیارے تین تھے۔ تینوں ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے۔

مطلب یہ کہ آگے پیچھے نہیں تھے اور تڑاتڑ گولیاں برسا رہے تھے۔ گویا گولیوں کی بارش کرتے چلے آ رہے تھے اور پھر وہ ان کے اوپر سے گزر گئے۔ ان کے چاروں طرف بے شمار گولیاں گریں۔ کھیت میں گویا ہل چل مچ گئی، وہ سخت خطرے میں تھے۔ کسی وقت بھی کوئی گولی انہیں چاٹ سکتی تھی۔ طیاروں کی وجہ سے کیپٹن برنٹ کے ساتھی اب ان کے پاس سے ہٹ گئے تھے اور دور بہت دور چلے گئے تھے۔

"سنو بھئی، ہم اس طرح کب تک خود کو بچاتے رہیں گے۔ طیاروں کی فائرنگ ہمیں لے بیٹھے گی۔ لہٰذا میں نے ایک اندازہ لگایا ہے۔ طیاروں کی وجہ سے ہم ایک پروگرام پر عمل کر سکتے ہیں۔"

"اور وہ پروگرام کیا ہے ابا جان۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

اسی وقت طیارے ایک بار پھر ان کے سروں پر سے گزر گئے۔

"میں چاہوں تو ان طیاروں کو رائفل کے ذریعے نشانہ بنانے کی کوشش کر سکتا ہوں، لیکن سرحد کے قریب اگر کوئی طیارہ مار گرایا گیا تو الزام یہی لگایا جائے گا کہ ہماری فوج نے سرحد پر جھڑپ شروع کر دی ہے۔ دنیا پہلے ہی تیسری عالم گیر جنگ کے دہانے پر ہے، اس لیے میں ایک تجربہ کروں گا، اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو میرے بعد تم بھی عمل کر سکتے ہو۔ تجربہ یہ ہے، طیارے یہاں

سے گزرنے کے بعد تیس سیکنڈ بعد واپس آئے ہیں — میں یہاں سے
سرحد تک کا فاصلہ تیس سیکنڈ سے کم وقت میں طے کرنا چاہتا ہوں۔
ادھر سے ہم پر فائر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ انہیں اس وقت تک
معلوم ہو چکا ہے کہ ہم کون ہیں۔"

"لیکن ابا جان، دو سو گز کا فاصلہ تیس سیکنڈ سے کم وقت
میں؟" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، میرے بعد یہ کوشش تم بھی کرو گے، کیونکہ دوڑنے
میں تم بھی کافی مہارت رکھتے ہو۔ آج اس قدر تیز دوڑ کا مظاہرہ
کرنا کہ رے راٹا کی یاد تازہ ہو جائے۔" انہوں نے آخری جملہ
مسکرا کر کہا۔

"بے چارہ رے راٹا۔" فاروق نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"اور بے چارہ برنٹ۔" محمود بولا۔

"یہ تم کیا لفظ بے چارہ کے پیچھے پڑ گئے۔ اس وقت اصل
بے چارے ہم ہیں، جن کے سروں پر گولیاں برس رہی ہیں۔" فرزانہ
نے جل بھن کر کہا۔

"جلنے اور بھننے کا بہانہ ملنا چاہیے بس تمہیں تو۔" فاروق
مسکرایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم ان پر ہول لمحات میں بھی پر سکون رہ
کر جملے بول سکتے ہو؛ بہرحال یہ فاصلہ مجھے اس قدر تیز رفتاری سے
دوڑ کر طے کرنا ہے کہ طیارے چکر لگا کر یہاں تک نہ پہنچ پائیں۔
اگر میں کامیاب ہو گیا تو میرے بعد تم بھی کوشش کرو گے۔"

"لیکن ابا جان، ہم ساتھ ہی کیوں نہ چلیں۔ دوسری صورت
میں بھی موت تو ہے ہی — اس کھیت پر برسنے والی گولیوں سے
ہم کب تک بچتے رہیں گے۔"

"پانچ آدمی بیک وقت دوڑیں گے تو زد میں آنے کا خطرہ زیادہ
ہو گا، کیونکہ پانچ آدمی ایک آدمی کے مقابلے میں زیادہ جگہ گھیریں گے۔
لہذا جو میں کہہ رہا ہوں، وہی کیا جائے گا۔" انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

"جی، جی بہتر۔" وہ ایک ساتھ ہکلائے اور انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

عین اسی وقت طیارے ان کے سروں پر گولیاں برساتے گزر
گئے — خیر گزری، کوئی گولی انہیں نہ چاٹ گئی — انسپکٹر جمشید نے اللہ اکبر
کا نعرہ لگایا اور دوڑ لگا دی — وہ کھیت سے گولی کی طرح نکلے — اسی
وقت انہوں نے طیاروں کو مڑتے دیکھا اور ابھی انسپکٹر جمشید نے نصف
راستہ ہی طے کیا تھا، ان کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔

اچانک فضا میں کچھ اور طرح کا طیاروں کی گونج پیدا ہوئی۔ انہوں
نے بوکھلا کر آسمان کی طرف دیکھا، پھر اطمینان کی لہر ان کے اندر دوڑ
گئی۔ طیارے ان کے ملک کی سرحد سے نمودار ہوئے تھے — دشمن
طیارے انسپکٹر جمشید کے عین سر پر پہنچ گئے، ادھر انہوں نے گولیاں
برسائیں؛ ادھر انہوں نے لوٹ لگائی اور لڑھکتے چلے گئے، جس جگہ وہ گر

کر رُکے، اس جگہ بے شمار گولیاں گریں اور دوسرے ہی لمحے انہوں
نے اٹھ کر ایک لمبی چھلانگ لگائی اور سرحد عبور کر گئے۔

"وہ مارا" فرزانہ نے بے اختیارانہ انداز میں تالی بجادی۔

"ہاں، لیکن اس قدر پھرتی سے ہمارا نکل جانا بہت مشکل ہے۔
تقریباً ناممکن ہے" محمود بڑبڑایا۔

"پھر کیا ہوا، اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ ہمارے طیارے
مقابلے میں آگئے ہیں۔ دشمن کے طیاروں کو اب ہمارے طیاروں کی
طرف متوجہ ہونا پڑے گا اور ایسا ہونے کی دیر ہے، پھر ہمارے لیے
نکل جانا مشکل نہیں رہے گا" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

اس کا خیال ٹھیک ہی نکلا۔ فضا میں اب طیاروں کی جنگ
شروع ہو گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے۔ تین طیارے
دشمن کے تھے اور تین ہی طیارے ان کے ملک کے تھے۔

"بس اب ہمارے پاس کھیت میں رکے رہنے کا کوئی جواز
نہیں۔ ہم ایک ساتھ دوڑ لگائیں گے" فرزانہ بولی۔

"ایک ساتھ نہیں، ایک ایک کرکے، کوئی دشمن طیارہ ایسے
میں بھی نیچے گولیاں برسانے کی کوشش ضرور کرے گا۔" محمود نے حکم
دینے کے انداز میں کہا۔

"اچھا تو پھر تم جاؤ" فاروق نے کہا۔

"نہیں، پہلے تم جاؤ گی فرزانہ" محمود نے کہا۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا" فاروق نے کہا۔

اور فرزانہ دوڑ لگانے کے لیے تیار ہو گئی۔ جونہی طیارے چھینا جھپٹی
کرتے ہوئے کچھ دور ہوئے۔ وہ کھیت سے بلا کی رفتار سے نکلی اور
سرحد کی طرف دوڑنے لگی۔ دشمن طیاروں میں سے کوئی بھی اس کی
طرف توجہ نہ دے سکا۔ ان کے ملک کے شاہینوں نے انہیں بری
طرح الجھا لیا تھا۔

"ہمارے لیے اب راستہ صاف ہے، چلو فاروق"

فاروق نے بھی فرزانہ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی دوڑ
لگا دی۔ عین اس وقت طیاروں کا رخ اسی کھیت کی طرف ہو گیا،
جس میں ابھی تک محمود موجود تھا۔ اس نے فاروق کو سرحد پار کرتے
دیکھا اور پھر نظریں طیاروں پر جما دیں، اس کے لیے نکلنا فی الحال
مشکل ہو گیا تھا، گولیاں اس کے چاروں طرف سے گر رہی تھیں اور
وہ حیران تھا کہ ابھی تک کس طرح بچا ہوا ہے، لیکن جسے خدا رکھے
اسے کون چکھے؛ جوں ہی طیارے مڑتے ہوئے کھیت سے آگے نکلے،
اس نے بھی اللہ کا نام لے کر دوڑ لگا دی اور اس موقعے سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے اکرام بھی اس کے پیچھے سرحد عبور کر گیا۔ فوجیوں
نے سرحد پر پوزیشن لے رکھی تھی اور ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ
ہو رہا تھا۔ انہوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور دور ایک خیمے میں
پہنچا دیا۔ یہاں ایک کمانڈر وائرلیس پر جہازوں سے رابطہ قائم کیے

ہوئے تھے۔ جوں ہی محمود اور اکرام خیمے میں پہنچے، اس نے کہا:

"اب مزید جنگ کی ضرورت نہیں۔ جنگ چھڑنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے آدمی خیریت سے ادھر پہنچ گئے ہیں، لہٰذا آپ تینوں بھی نکل آئیں۔"

"او کے" دوسری طرف سے کہا گیا۔

چند منٹ تک طیاروں کی آنکھ مچولی جاری رہی اور پھر موقع ملتے ہی طیارے ان کے ملک کی سرحد کی طرف آ گئے۔ دشمن کے طیاروں نے پہلے تو تعاقب کیا، لیکن پھر وہ لوٹ گئے، اور فضا پرسکون ہو گئی۔ شاید دشمن بھی جنگ شروع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا، ورنہ اچھا بھلا جنگ کا سامان پیدا ہو گیا تھا۔ سکون ہوتے ہی کمانڈر ان کی طرف مڑا:

"کرنل جانذار بیگ کی ہدایت ہے کہ آپ لوگوں کو فوراً ان تک پہنچا دیا جائے۔"

"چلیے، ہم تیار ہیں۔" وہ بولے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کرنل جانذار بیگ کے بنگلے میں بیٹھے سارے واقعات انہیں سنا رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے کاغذ پر انہی کا نام اور اپنا نام لکھ کر ڈھیلے پر لپیٹ کر پھینکا تھا، کیونکہ کرنل کو پہلے ہی یہ اطلاع دی جا چکی تھی کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے دشمن ملک میں سرگرم عمل ہیں اور نہ جانے حالات کیا رخ اختیار کریں،

وہ کس طرح آنے کے قابل ہو سکیں، لہٰذا کرنل صاحب نے بھی سرحد پر موجود نوجوانوں کو خبردار کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اتنی جلدی ان کی مدد کی گئی۔ کیپٹن برنٹ والا چکر شروع نہ ہو جاتا تو انسپکٹر جمشید ہیلی کاپٹر کے ذریعے ایئر پورٹ پر پہنچتے۔ کچھ دیر کے آرام کے بعد انہیں ایک جیپ میں شہر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہ سیدھے اپنے دفتر پہنچے۔ یہاں ان کی آمد کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی، لہٰذا سبھی ان کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یہاں خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی پہنچ چکے تھے۔ آئی جی صاحب انہیں کانفرنس روم میں لے آئے۔ یہاں انہوں نے واقعات تفصیل سے سنائے۔ ان کے خاموش ہونے پر مبارک باد کا شور گونج اٹھا۔ شور کم ہوا تو آئی جی صاحب بولے:

"لیکن جمشید، وہ کاغذات کہاں ہیں؟"

"میری کمر کے ساتھ بندھے ہیں۔ یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے کمر پر تسمے باندھ لیے تھے۔" وہ مسکرائے اور پھر تسمے کھول کر کاغذات نکال کر آئی جی صاحب کے سامنے رکھ دیے، لیکن یہ چیز سب کے سامنے دیکھنے کی نہیں تھی، لہٰذا انہوں نے انہیں فوراً سیف میں منتقل کر دیا۔ دشمن کے کتنے ہی قیمتی راز اب ان کے قبضے میں تھے اور دشمن کی پوزیشن بہت نازک ہو گئی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے بے راٹا کی تجویز کو اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

"یہ سب تو خیر ہوا — اب ہمیں اس کیس کے اصل مجرم کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔"

"اصل مجرم، کیا مطلب؟ کیا رے راٹا اصل مجرم نہیں تھا؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"نہیں، اصل مجرم تو وہ ہے، جس نے اسے فرار ہونے میں مدد دی ہے — ملک کی جڑیں تو ایسے لوگ کاٹ رہے ہیں، ورنہ رے راٹا جیسے لوگ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائیں۔"

"کیا تمہارا اشارہ سپرنٹنڈنٹ جیل کی طرف ہے جمشید۔" آئی جی صاحب حیران ہو کر بولے۔

"میرا اشارہ خاص طور پر کسی کی طرف بھی نہیں ہے — کیوں کہ فی الحال میں نہیں جانتا — رے راٹا کو فرار ہونے میں مدد کس نے دی ہے، یہ ہمیں معلوم کرنا ہوگا اور میں اس وقت یہ تفتیش شروع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اسی وقت — جمشید، یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اتنی زبردست جدوجہد کرکے آرہے ہو — اپنا نہیں تو کچھ ان تینوں کا ہی خیال کرو۔" ڈی آئی جی صاحب حیران ہو کر بولے۔

"ٹھیک ہے، میں ان تینوں کا خیال کیے لیتا ہوں۔ یہ نہ جائیں، میں اکیلا چلا جاتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابا جان۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"اگر نہیں ہو سکتا تو پھر اٹھو — ملک اور قوم کے اصل دشمنوں کے خاتمے میں ذرا بھی غفلت نہیں کرنی چاہیے — وہ ضرور فرار کی تیاری کر چکا ہوگا، کیونکہ اسے بھی یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ ہم فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جمشید، میرا مشورہ مانو — ہم میں سے چند ایک کو ساتھ لے چلو۔ تمھارے سامنے ہو، کہیں دشمن وار نہ کر جائے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جی بہتر، آپ میں سے جو میرا ساتھ دینا چاہیں، دے سکتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹا سا کاروں کا قافلہ ایک سمت میں چلا جارہا تھا۔ یہ قافلہ جیل کے باہر جا کر رکا۔ سپرنٹنڈنٹ جیل مخدوم شاہ کو اطلاع ملی تو باہر کی طرف دوڑا آیا اور انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ — آپ — آپ ...." وہ ہکلایا۔

"جی ہاں، شاہ صاحب، ہم ذرا یہ جائزہ لیں گے کہ رے راٹا کس طرح فرار ہوا تھا۔ ہم اس کوٹھڑی کا جائزہ بھی لیں گے اور اس جگہ کا بھی، جہاں سے رے راٹا کے دو ساتھیوں نے کمند ڈالی تھی۔"

"ضرور ضرور جناب، کیوں نہیں — میں نے ہر چیز جوں کی توں رہنے دی ہے، کیونکہ آپ نے فون پر یہی ہدایت دی تھی۔" اس نے فوراً کہا۔

"تو پھر آئیے ذرا پہلے کوٹھڑی دیکھ لیں۔"

وہ کوٹھڑی کے دروازے پر آئے۔ تالا توڑا نہیں کھولا گیا تھا: گویا رے راٹا کے ساتھیوں کے پاس چابیاں موجود تھیں۔ تالا وہ وہیں چھوڑ گئے تھے: البتہ چابیاں وہاں نہیں ملی تھیں۔ کوٹھڑی کا جائزہ لیا گیا۔ بستر پر کوئی شکن نہیں تھی: گویا اس رات رے راٹا اپنے بستر پر لیٹا ہی نہیں تھا۔

"رے راٹا بستر پر نہیں لیٹا: گویا اسے معلوم تھا کہ آج رات وہ جیل سے ضرور فرار ہو جائے گا اور صبح منہ اندھیرے وہ فرار ہوا تھا۔ یعنی دن کا اجالا ابھی اچھی طرح نمودار نہیں ہوا تھا، جب کہ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ وہ فرار ہو ہی جائے گا تو پھر وہ بستر پر کیوں نہ لیٹا۔ ساری رات وہ کوٹھڑی کے فرش پر کیا کرتا رہا۔"

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"واقعی، یہ تو عجیب بات ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔ وہ بھی ساتھ آئے تھے: البتہ پروفیسر داؤد نہیں آسکے تھے۔

"عجیب ہی نہیں انکل، غریب بھی ہے۔" فاروق بولا۔

"اور اب ذرا ہم کمند کا جائزہ لیں گے۔"

وہ سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ جیل کی چھت پر آئے۔ یہاں ایک برج میں کمند ابھی تک پھنسی ہوئی تھی اور اس کا سرا نیچے لٹک رہا تھا۔ انہوں نے کمند کا جائزہ لیا۔ وہ مضبوطی سے برج میں پھنسی ہوئی تھی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اسے اوپر کھڑے ہو کر برجی سے باندھا گیا ہے اور پھر دوسرا سرا نیچے لٹکا دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ رے راٹا کے ساتھی اس طرف سے آئے تھے: حالانکہ انہیں نہایت عزت اور احترام سے جیل کے صدر دروازے سے اندر لایا گیا اور پھر رے راٹا کو ان کے ساتھ کر دیا گیا۔ انہیں تو جیل کی کوٹھڑی تک جانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرنا پڑی۔" انہوں نے بھنچے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا آپ مجھ پر الزام لگانا چاہتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا، یہ کام کس کا ہے، لیکن جیل کے حکام میں سے ہی کسی ایک کا ہے اور میں بہت جلد معلوم کر لوں گا۔" انہوں نے کہا۔

اس کے بعد انہوں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سے بھی کچھ سوالات کیے، پھر اپنے چند ماتحتوں کو الگ لے جا کر کچھ ہدایات دیں۔ وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

"ہمارا کام یہاں ختم ہو چکا ہے، لہذا اب ہم واپس چلیں گے۔ ایک دو گھنٹے تک میرے ماتحت رپورٹ پیش کر دیں گے اور اس رپورٹ سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ رے راٹا کس کی مدد سے فرار ہوا ہے:"

وہ جیل سے باہر آ گئے۔ جیپوں کی طرف بڑھتے ہوئے آئی جی صاحب نے سرگوشی کی:

"جمشید، کیا تمہارا شک مخدوم شاہ پر ہے؟"

"جی نہیں، میں کسی پر بھی شک نہیں کر سکتا، کیوں کہ انہوں نے اپنے خلاف کوئی سراغ نہیں چھوڑا؛ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ ان میں سے کسی ایک یا دو نے رے راٹا کو فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ مدد کیوں دی ہے، یہی معلوم کرنے کے لیے میرے ماتحت گئے ہیں، کیونکہ میرے خیال میں دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ یا تو ان میں سے کسی ایک کا تعلق رے راٹا کے ملک سے ہے، یعنی وہ ہمارے دشمن ملک کا جاسوس ہے، یا پھر ان میں سے کوئی بک گیا ہے۔ اسے کوئی بڑی رقم پیش کی گئی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن اگر رے راٹا کو اتنی آسانی سے جیل سے فرار کرایا جا سکتا تھا تو پھر وہ چھ ماہ کیوں اندر سڑتا رہا۔ بہت پہلے ہی اسے کیوں نہ فرار کرا دیا گیا؟" ڈی آئی جی صاحب نے اعتراض کیا۔

"بہت اچھا سوال اٹھایا آپ نے۔ میں اس پہلو پر غور کرنے کے بعد ہی تو یہاں آیا ہوں۔ مخدوم شاہ دراصل کسی دوسرے شہر سے تبدیل ہو کر حال ہی میں اس جیل میں آئے ہیں۔ ان سے پہلے جو سپرنٹنڈنٹ تھے، ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ بہت ہی مذہبی آدمی ہیں اور ایمان دار بھی۔ ایک پیسہ بھی رشوت لینا گوارا نہیں کرتے، لہٰذا ان کے ہوتے ہوئے بھلا رے راٹا کس طرح فرار ہو جاتا، چنانچہ ایک ایسا آدمی تلاش کیا گیا جو بک سکے، پھر اس کی تبدیلی

کا چکر چلایا گیا۔ پہلے والے سپرنٹنڈنٹ رشوت سے نفرت کرتے تھے، اس لیے انہیں اس بات کی پروا کیوں ہوتی کہ انہیں کہاں تبدیل کیا جا رہا ہے، اس قسم کا فکر اور پریشانی تو صرف رشوت خور افسروں کو ہوتی ہے۔ وہ بے چارے خاموشی سے چلے گئے اور مخدوم شاہ آ گئے، ان کے آتے ہی رے راٹا فرار ہو گیا، لہٰذا میں یہ کیوں نہ سوچوں کہ وہ یا تو غدار ہیں یا انہوں نے بھاری رشوت لی ہے اور رے راٹا کو نکال کر اس کے دو ساتھیوں کے حوالے کر دیا؟" وہ کہتے چلے گئے۔

"لیکن اب تم نے اپنے ماتحتوں کو کہاں بھیجا ہے؟"

"جیل کے بڑے آفیسرز کے گھروں کی تلاشی کے وارنٹ حاصل کرنے کے بعد وہ ان کے گھروں کی تلاشی لیں گے، پھر ان کے بینک بیلنس چیک کریں گے اور جو بھی نئی بات معلوم ہوگی، اس کی خبر مجھے کریں گے۔"

"بہت خوب۔" آئی جی صاحب مطمئن ہو کر بولے۔

وہ گھر پہنچ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ دوڑ کر اپنی امی سے لپٹ گئے۔ کیوں نہ ہو، موت کے منہ سے نکل کر آ رہے تھے۔ خان رحمان، آئی جی صاحب اور ڈپٹی آئی جی صاحب بھی ان کے ساتھ چلے آئے تھے، لہٰذا گھر میں خوب رونق ہو گئی۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد فون موصول ہوا۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا اور بولے:

"انسپکٹر جمشید پلیز۔"

"سر، گھروں کی تلاشی لے لی گئی ہے۔ بنک بیلنس بھی چیک کر لیے گئے ہیں، لیکن نہ تو ان میں سے کسی کے بنک بیلنس میں اضافہ ہوا ہے اور نہ کسی کے گھر سے اس قسم کے کاغذات مل سکے ہیں جن سے ظاہر ہو کہ ان میں سے کوئی ایک دشمن ملک کا جاسوس ہے۔"

"ارے۔" ان کے منہ سے نکلا اور پھر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا رہا جمشید؟" آئی جی صاحب بولے۔

"ناکامی — ان کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہیں، نہ ہی ان کے بنک بیلنس میں کوئی اضافہ ہوا ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں — میں اس غدار کو چھوڑوں گا نہیں — ابھی میرے پاس ایک راستا رہتا ہے۔"

"اور وہ راستا کون سا ہے؟"

"وہ راستا ان کاغذات میں سے جاتا ہے جو میں لے کر آیا ہوں۔ اگر ان میں سے کسی کے بنک بیلنس میں اضافہ نہیں ہوا تو پھر یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ دشمن ملک کا جاسوس ہے۔ رے راٹا کو چھڑانے والے کے بارے میں رے راٹا کے دفتر سے اڑائے جانے والے کاغذات میں ضرور کچھ ہوگا۔ وہ فائل آپ کے دفتر میں ہے، لہذا ہم اسی وقت وہاں چل رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، یہ کام بہت ضروری ہے۔" انہوں نے کہا۔

اور وہ ایک بار پھر دفتر کی طرف روانہ ہو گئے — اس وقت تک مغرب کا وقت ہو چلا تھا — جوں ہی وہ گیٹ پر پہنچے، ٹھٹک کر رہ گئے — گیٹ کے اندر کی طرف چوکیدار بے ہوش پڑا تھا اور اس کی رائفل غائب تھی۔

"معلوم ہوتا ہے، چوٹ ہو گئی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور تیزی سے آگے بڑھے۔

آئی جی صاحب کے دفتر میں روشنی ہو رہی تھی اور اندر کوئی شخص موجود تھا۔ انہوں نے فوراً جیب سے ریوالور نکال لیا اور آہٹ پیدا کیے بغیر داخل ہو گئے۔ اندر موجود شخص سیف کھولنے کی کوشش میں اس حد تک محو تھا کہ ان کی موجودگی کا اسے احساس تک نہیں ہوا۔

"بھئی آپ چابی لے لیں، اس طرح یہ سیف نہیں کھلے گا۔" فاروق بول پڑا۔

وہ بوکھلا کر مڑا اور انہوں نے دیکھا، وہ مخدوم شاہ ہی تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

"تو تم ہی ہو، دشمن ملک کے جاسوس — اسی لیے تمہیں اس جیل میں تبدیل کرایا گیا، تاکہ رے راٹا کو فرار میں مدد دے سکو۔" ان کے لہجے میں بھی گہرا طنز تھا۔

مخدوم شاہ سیف کھولنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ سگار بھی منہ میں دبائے ہوئے تھا۔ جب وہ بوکھلا کر مڑا تو سگار اس کے منہ سے نکل کر قالین پر گر گیا۔ محمود نے فوراً جھک کر اسے اٹھا لیا، تاکہ قالین کو نقصان نہ پہنچے اور پھر انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں حیرت کی بجلی کوند گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتے پستول ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ایک زبردست مکا ان کے سر پر لگا۔ دوسرے ہی لمحے مخدوم شاہ کمرے سے باہر تھا۔ انہوں نے اس کے پیچھے چھلانگ لگائی۔ لیکن اس وقت تک دفتر سے باہر جا چکا تھا۔ انہوں نے کئی لمبی چھلانگیں لگائیں اور اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ جیپ تک پہنچے تو وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ باقی لوگ بھی دوڑتے ہوئے ان تک پہنچ گئے۔ انہیں حیرت زدہ انداز میں ساکن کھڑے دیکھ کر آئی جی صاحب بولے:

"جمشید، تم رک کیوں گئے۔ تم نے جیپ میں بیٹھ کر اس کا تعاقب کیوں نہ کیا؟"

"اس لیے کہ میں اس کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔" وہ اس طرح بولے، جیسے خواب میں بڑبڑائے ہوں۔

"کیا مطلب، کیا وہ جیپوں کو پنکچر کر گیا ہے؟" ڈی آئی جی صاحب کے منہ سے نکلا۔

"جی نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ جیپیں تو بالکل ٹھیک

ٹھاک ہیں۔"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ وہ مخدوم شاہ نہیں، رے راٹا تھا۔"

"کیا؟" وہ سب کے سب چلا اٹھے۔ ان کے چلانے کی آواز چوکیدار کو ہوش میں لے آئی اور وہ آنکھیں ملنے لگا، پھر اس کے ہاتھ سر کے پچھلے حصے پر جم گئے۔ شاید رے راٹا نے وہاں چوٹ ماری تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"مجھ سے بڑی چوک ہوئی جناب، رے راٹا کو اس وقت نہ پہچان سکا جب ہم جیل کا معائنہ کر رہے تھے۔ دراصل جو آدمی جیلی کا پٹر سے گرا کر مارا گیا، وہ مخدوم شاہ تھا، دشمن ملک کا جاسوس۔ وہ اس شہر میں تبدیل ہو کر آیا اور رے راٹا کو باہر نکال دیا۔ رے راٹا نے فی الحال یہاں سے جانا پسند نہ کیا اور شاید اس کے ساتھ مخدوم شاہ کی طلبی کے احکامات صادر ہو چکے تھے۔ لہذا رے راٹا نے پہلے اسے اپنے میک اپ میں بھیجنے کا پروگرام بنایا۔ تاکہ یہاں رہ کر خفیہ طور پر کچھ کارروائیاں کر سکے۔"

"لیکن ابا جان، راشدی صاحب کے گھر والوں نے رے راٹا کے میک اپ میں اگر مخدوم شاہ کو بھاگتے دیکھا تھا تو وہ رے راٹا کی سی تیزی سے کس طرح دوڑا ہو گا اور راشدی صاحب کی کار

ملک کس طرح پہنچا ہوگا ؟"

"وہ صرف دوڑا تھا اور جلد ہی گھر والوں کی نظروں سے اوجھل
ہو گیا تھا، لیکن کار کو اس نے نہیں، آگے کھڑے رے راٹا کے
ان دو ساتھیوں نے روکا تھا، اور پھر مخدوم شاہ کار تک پہنچ گیا، لہذا
وہ راشدی صاحب کو لے کر شمالی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہو گئے —
یا ان کے کچھ اور بھی ساتھی یہاں موجود ہیں۔ فون کرنے کے
انداز سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رے راٹا کے کچھ ساتھی
اور بھی یہاں موجود ہیں۔"

"دھت تیرے کی، اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہ....
وہ زندہ ہے۔"

"ہاں، لیکن اس کے اس پروگرام کی بدولت ہم بھی بہت قیمتی
چیز اڑانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ رے راٹا نے اپنے ملک کو یہ اطلاع
نہیں دی تھی کہ اس کے میک اپ میں دراصل مخدوم شاہ آ رہا
ہے۔"

"نہیں، اگر وہ خبردار کر دیتا تو شاید ہمارا پول بہت جلد کھل
جاتا اور اس صورت میں ہم کاغذات حاصل نہ کر سکتے۔ رے راٹا
نے سوچا ہوگا کہ مخدوم شاہ خود ہی جا کر سب کچھ بتا دے گا۔"

"اور اس کا مطلب یہ ہے کہ رے راٹا ایک بار پھر ہمارے
مقابلے میں آئے گا — اوہ، پھر تو میں آج سے ہی دوڑنے کی مشق
شروع کر دیتا ہوں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا اور وہ مسکرانے لگے۔